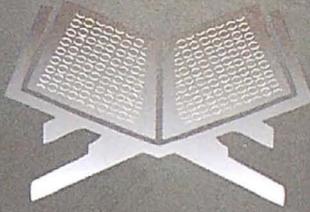




مصاحف عثمانیہ میں باہم اختلاف
ایک حقیقت

www.KitaboSunnat.com



تالیف

محمد صدیق سانسروی

دارالعلوم فلاح دارین ترکیسر، سورت، گجرات، الہند

لجنة القراء



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
قُلْ أَطِيعُوا اللّٰهَ
وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی اربنہ

معدت البریری

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب و سنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی
کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے
درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

✉ KitaboSunnat@gmail.com

🌐 www.KitaboSunnat.com



- نام : مصاحف عثمانیہ میں باہم اختلاف - ایک حقیقت
- مؤلف : محمد صدیق سانسرودی
- طباعت : محرم الحرام ۱۴۴۰ھ = اکتوبر، ۲۰۱۸ء
- تعداد : دو ہزار
- ناشر : لجنۃ القراء، دار العلوم فلاح دارین، ترکیسر، سورت



انتساب

یہ رسالہ مشفق و مربی، مفکر ملت، فخر گجرات، رئیس الحبامہ
 حضرت مولانا عبد اللہ کا پودروی علیہ الرحمۃ کی نذر ہے، جنہوں نے مجھ
 جیسے خرف ریزے کو غیر معمولی شفقتوں اور محبتوں سے نوازا، مشق کی طرف
 میرے بہتے دھارے کو کتاب کا رخ بخشنا اور انگلی پکڑ کر تدریس کی راہ دکھلائی۔
 اسی طرح مشفق والدین اور اساتذہ کرام کے نام منسوب کرنا سعادت
 سمجھتا ہوں، جن کی توجہات و عرق ریزی سے چند سطریں لکھنے کی توفیق ملی۔
 فجز اہم اللہ أحسن الجزاء.



فہرست

- 06 ✽ تقریظ از: امام افن قاری و مقری حضرت مولانا ابوالحسن اعظمی دامت برکاتہم
- 09 ✽ پیش لفظ
- 17 ✽ دور نبوی اور حفاظت قرآن
- 18 ✽ حفاظت قرآن اور فکر عمرؓ
- 22 ✽ دور صدیقی اور حفاظت قرآن
- 27 ✽ توجیہ بلغ
- 28 ✽ جمع کے لیے حضرت زید کا انتخاب ایک تعجب خیز امر
- 30 ✽ فراست نبوی
- 31 ✽ جمع قرآن کی مدت - دور صدیقی میں
- 33 ✽ سورہ توبہ کی آخری دو آیتوں کو لے کر کون آیا؟
- 35 ✽ ایک اعتراض اور اس کا جواب
- 38 ✽ جمع عثمانی
- 39 ✽ قراءات مختلفہ بلاد اسلامیہ میں

- 42 اختلاف کی شدت اور حضرت حذیفہؓ کا اضطراب
- 45 امیر المؤمنین کے سامنے پیش کی گئی داستان درد و غم
- 46 حضرت عثمانؓ کا پچاس ہزار کے مجمع سے خطاب
- 47 عملی، کاتب اور مشرف کا انتخاب
- 49 شگورہ ابن مسعودؓ
- 51 حضرت عثمان غنیؓ کی طرف سے اعتذار و وجوہ اعتذار
- 59 ابن مسعودؓ کی یہ خفگی وقتی تھی
- 62 اسالیب عجیبہ
- 65 عمل احراق اور اس کا استقبال
- 70 جمع صدیقی و عثمانی کے مابین فرق
- 71 جمع صدیقی کے مرکزی عناصر
- 72 جمع عثمانی کے مرکزی عناصر
- 74 کیا مصاحف عثمانیہ میں باہم کوئی اختلاف تھا؟
- 77 شرائط ثلاثہ برائے قرآنیت
- 77 مصاحف عثمانیہ کی موافقت سے مراد
- 82 مصنفین رسم کے اسالیب مختلفہ
- 86 مصاحف میں مواقع اختلاف کی تعداد
- 88 مواقع اختلاف کی تفصیل

تقریظ

از: امام الفن، صدر القراء، قاری و مقرئ حضرت مولانا ابوالحسن اعظمی دامت برکاتہم

قرآن کریم، جو احکم الحاکمین، اللہ رب العزت کا کلام معجز ہے، اس سے متعلق متعدد علوم ہیں، جن کا اختصار کیا جائے، تو کم از کم سات علوم ہیں، ان علوم سب سے بھی بہت سی شاخیں ہیں، ازاں جملہ نہایت اہم اور عظیم الشان علم ”علم رسم عثمانی“ ہے۔ جس طرح علماء اور محققین نے علوم قرآن کی عقدہ کشائیاں کی ہیں، اس علم رسم کی خدمت سے بھی شرف یاب ہوئے ہیں، اور موضوع سے متعلق بیش بہا تصانیف سے ذخیرہ کتب کو مالا مال کیا ہے، یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں۔

تدوین قرآن کریم، جو اولین عظیم الشان کارنامہ ہے، یہ بجائے خود نہایت اہم ہے، علماء نے اس پر بہت کچھ لکھا ہے، لیکن یہ حقیقت پیش نظر رہے کہ اتنا سب کچھ پڑھ لینے کے بعد بھی کچھ گوشے ایسے بھی مخفی ہیں، جن کی جانب خوب صورت انداز میں اور عمدہ ترتیب سے ایک محققانہ تحریر کی بہر حال ضرورت تھی، لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی واضح رہے کہ یہ ہر کس و ناکس کے بس کا کام نہیں، کہ بس قلم میں روشنائی ڈال لے اور سامنے کا غنڈ پھیلا لے،

بعض معاصرین نے کچھ ایسا ہی کیا ہے۔ علم و تحقیق کا صحیح معنی بھی نہیں معلوم، مگر حواشی و شروح کے نام سے روشنائی کے جھینٹے مارے ہیں، جو محض کاغذی پلندہ ہیں۔ ضرورت تھی کی اس علم و فن کے تمام اطراف و جوانب پر نظر غائر ڈال کر معتدین و متاخرین کے تیار کردہ ذخائر علم سے تحقیقی جواہر پارے پیش کیے جائیں۔

الحمد للہ، اس زمانے میں، جب کہ یہ سہولت پسندی کا دور ہے، ہمارے سامنے ایک ایسے باذوق، تحقیقی مزاج رکھنے والے، مطالعہ کی وادیوں پر وادیاں طے کرنے والے عالم و مقبری ہیں، یعنی زیر نظر تحریر کے مرتب و مصنف جناب مولانا قاری المقری محمد صدیق صاحب سانسرووی مدظلہ العالی، صدر شعبہ تجوید و قراءت: دارالعلوم و نلاح دارین، ترکیسر، گجرات۔

آپ نے اس کتاب میں بڑے ہی شستہ اور شائستہ طرز پر اس موضوع پر پڑے ہوئے تمام مخفی پردوں کو اٹھایا ہے اور نہایت مفید علمی کاوش پیش کی ہے۔

قائین کرام ملاحظہ فرمائیں گے:

تدوین قرآن کی تاریخ _____ اس کی تفصیلات سے متعلق کتب احادیث، تفسیر و تاریخ کے حوالے سے بیش قیمت معلومات _____ پیشتر ایسی اہم ترین اور البیلی کتب، جن تک رسائی عام حالات میں آسان نہیں _____ ان سے ماخوذ و مستفاد عبارات اور تلخیصات، بہ انداز خاص _____ یہ سب اور بھی بہت کچھ _____ جو نہایت ہی قابل قدر ہیں _____ جمع و تدوین قرآن کریم کے سلسلے میں سیدنا حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مصحف عثمانی میں باہم اختلاف۔ ایک حقیقت

کے انتخاب اور اس عظیم الشان کام کو آپ کے حوالے کیے جانے کے بارے میں پیدا ہونے والے سوالات اور شبہات اور نہایت عمدگی اور سلیقے سے دیے گئے مفصل جوابات۔۔۔۔۔ مصاحف عثمانیہ میں باہم اختلافات، ان کی تعداد۔۔۔۔۔ اس سلسلے میں بہ ضرورت قدرے تفصیل۔۔۔۔۔ لاریب کہ یہ ایک اہم حصہ بحث ہے۔۔۔۔۔ شائقین علم و فن کے لیے یقیناً ڈرر بے بہا ہے۔۔۔۔۔ قدر شناسوں کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔۔۔۔۔ عرق ریزی سے کیے گئے نتائج مطالعہ، جس دماغ و ذہن سے برآمد ہوئے، اسی کے ساتھ مصنف کی وہ انگلیاں، جو اس خوب صورت، اہم اور علمی تحریر کے وجود کی علت ہیں، چوم لینے کے لائق ہیں۔

راقم، اپنے سُویدائے قلبی سے، اور تمام قدر دان فن کی جانب سے، مصنف مدظلہ کی خدمت بابرکت میں ہدیہ تشکر و امتنان پیش کرتے ہوئے دعا گو ہے، اللہ رب العزت جلد اسے منصہ شہود پر جلوہ گر کرے، اور بیش از بیش قبولیت عامہ و تمامہ سے نوازے، آمین۔

ابوالحسن اعظمی

۲۳/ ذی الحجہ ۱۴۳۹ھ



پیش لفظ

قرآن کریم کی طرف ناقابل فراموش توجہ اور مثالی اعتناء ملت اسلامیہ و امت محمدیہ کا وصف خاص رہا ہے۔ اسلامی دور کی ابتدا سے لے کر آج تک اس امت نے قرآن کریم کے مختلف گوشوں سے، غیر معمولی دلچسپی کا ثبوت دیا ہے، جس کی وجہ سے یہ امت ”امت قرآنیہ“ کہلائی، چنانچہ اس نے قرآن کریم کے الفاظ و کیفیت تلفظ کی حفاظت میں اس قدر پسینہ بہایا کہ دنیا کی دیگر اقوام اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز و قاصر ہیں، اسی طرح معانی و مفہیم کی افہام و تفہیم (سمجھنے اور سمجھانے) میں اور استقامت علی العمل کے باب میں اس نے اپنی تاریخ رقم کر دی۔ علم تجوید و قراءت، علم ضبط و رسم، علم الفواصل اور علم تفسیر و اعجاز قرآنی میں اس قدر قیمتی تالیفات، منصفہ شہود پر آئیں کہ کتب خانے بھر گئے، یہ درحقیقت امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا امتیاز اور قرآن کریم کا اعجاز ہے اور ان شاء اللہ حسب ضرورت یہ پاکیزہ سلسلہ تا قیامت جاری و ساری رہے گا۔

یہ بھی الیک واضح حقیقت ہے کہ مدارس اسلامیہ، مراکز تحقیق ہیں، علمی مباحثہ و مذاکرہ اور خیالات کا تبادلہ، ارباب علم کا منصبی فریضہ ہے، کسی بھی حکم

شرعی یا مسئلہ علمی سے متعلق، جب بھی مزید مطالعہ، غور و فکر اور تحقیق کی ضرورت پیش آتی ہے، تو یہی علمی زمرہ کتب بینی و اوراق گردانی کر کے حقیقت شناسی و حقیقت آرائی کے لیے کمر ہمت باندھتا ہے، متعدد مصنفین و مؤلفین کے در پر دستک دیتا ہے اور حقائق بے حجاب کرتا ہے۔

آج سے تقریباً چونتیس (۳۴) سال قبل اہل علم کی مجلس میں ایک علمی گفتگو کے دوران یہ مسئلہ زیر بحث آیا کہ مصاحف عثمانیہ، جو علی اختلاف الاقوال آٹھ تھے، ان میں باہم کوئی اختلاف تھا یا نہیں؟ چنانچہ ایک باوزن شخصیت یہ کہے جا رہی تھی کہ ہم نہیں جانتے کہ مصاحف عثمانیہ میں باہم کوئی اختلاف بھی تھا؛ بل کہ دراصل حضرت عثمانؓ نے اولاً ایک نسخہ تیار کروایا تھا، باقی نسخے اس کی نقول و زیر اس کا پی تھے؛ اس لیے وہ سب کے سب ایک ہی طرح کے تھے، قسمت سے اس گفتگو کا روئے سخن ہماری طرف تھا؛ لہذا اس ناقص نے اپنی تدریسی طفولیت کے باوجود کچھ جرأت کرتے ہوئے عرض کیا کہ: علامہ شاطبیؒ کے قصیدہٴ رائیہ و دیگر بہت سی کتب رسم میں کئی کلمات کی رسم و کتابت کو بیان فرماتے ہوئے مصاحف عثمانیہ کے مابین اختلاف کا ذکر ہوا ہے اور اپنے رفقاء کے ساتھ اس کی ناقص سعی کی کہ ہمارے مخاطب محترم اپنے اس نظریے پر نظر ثانی فرمائیں، مگر کوشش کامیابی سے ہم کنار نہ ہو سکی، جس کا قلق سفر بھر رہا، مگر کڑھن و گھٹن کے ساتھ ہونے والی یہ واپسی اس موضوع خاص کے لیے کتب بینی اور اوراق گردانی کا مضبوط محرک ثابت ہوئی۔

چٹاں چہ بھیک کی جھولی لے کر اپنے بزرگوں اور اسلاف کے در پہ دستک
 دی اور کچھ ٹکڑے بھیک کے طور پر جمع ہی نہیں ہوئے، بلکہ اس سے بڑھ کر جو
 ایک نعمت حصہ میں آئی، وہ بھوک کی شدت تھی کہ جوں جوں ٹکڑے ملتے گئے،
 بھوک بڑھتی گئی۔

پھر ایک جگہ قراءات سب سے ختم کے لیے جانا ہوا اور اس میں نیک دل
 میزبانوں کی فرمائش پر قراءات سب سے موضوع پر دو چار لفظ کہنے کا موقع ملا، تو
 ہم نے اپنی حقیر گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے شروع میں یہ عرض کیا کہ علامہ دائیؒ
 اپنی ”مفتوح“ میں خود ایک سوال قائم فرماتے ہیں کہ ”جمع ثانی“، یعنی جمع عثمانی کا
 محرک اور بنیادی سبب ہی جب قراءات کے حوالہ سے امت میں پایا جانے والا
 شدید اختلاف تھا اور حضرت حدیفہ بن الیمانؓ نے قراءات سے متعلق امت
 کے اختلاف سے مستقبل میں جن خطرات کو محسوس فرمایا تھا، انھیں خلیفۃ المسلمین
 کی خدمت میں بڑی بے چینی اور درد کے ساتھ پیش کیا تھا کہ خلیفۃ المسلمین! جلد
 از جلد اس اختلاف کے انسداد کے لیے کوئی ٹھوس قدم اٹھائیں اور قرآن کریم کو
 از سر نو لکھوا کر لوگوں کو مصحف واحد و قراءات واحدہ پر جمع فرمادیں، جس کا مقتضی تو
 یہ تھا کہ اب قرآن کریم کے جتنے نسخے تیار ہوں، ان میں باہم کوئی اختلاف نہ
 ہو، اور سب ایک ہی انداز کے ہوں کہ اختلاف کا باب ہی بند ہو جائے؛ لیکن
 اس کے باوجود حضرت عثمانؓ نے قرآن کریم کے جو نسخے تیار کروا کر بلاد
 البیضاء میں بھیجے، ان میں باہم اختلاف تھا تو یہ کیوں کر ہوا؟

مصاحف عثمانیہ میں باہم اختلاف - ایک حقیقت

پھر آپ (علامہ دائی) نے ہی خود اس کا مضبوط جواب عنایت فرمایا ہے، اگر اس جواب کے حاصل کو مختصراً دوسرے لفظوں میں کہا جائے، تو یوں کہہ سکتے ہیں کہ جمع ثانی قراءات متواترہ مختلفہ کی تحریری حفاظت کی اولین کڑی و کاوش ہے۔

اس سوال و جواب کو ہم نے اپنی مختصر گفتگو کی بنیاد قرار دیا تھا؛ لیکن اس کے بعد صدارتی بیان کے لیے ہمارے ایک بزرگ کو دعوت دی گئی، تو آپ نے صدارتی بیان میں فرمایا کہ ہمیں قاری صاحب کی گفتگو کے ایک جزء سے اتفاق نہیں ہے اور وہ یہ کہ وہ علوم القرآن کا تازہ مطالعہ کر کے آرہے ہیں، ایسا بالکل نہیں ہے اور مصاحف عثمانیہ میں باہم ایسا کوئی اختلاف نہ تھا، بل کہ وہ تو ایک اصل نسخہ کی نقل وزیر اس کا پی تھی، یہ سن کر ہماری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ اتنی وزن دار شخصیت کی زبان اور ایسی غیر محقق گفتگو!!!

کم از کم علامہ دائی کا نام سن کر تو تھوڑا توقف کرتے اور تحقیق و مطالعہ تک تردید کے لیے صبر فرماتے، فتح الباری ہی دیکھ لیتے؛ کیوں کہ مصاحف عثمانیہ کے مابین اختلاف کوئی ایک دو جگہ ہی نہیں، بل کہ دسیوں مواقع میں اختلاف موجود تھا، جن کو خود صاحب فتح الباری نے بھی قدرے اجمال سے ذکر فرمایا ہے۔

لہذا اسی وقت اس مضمون کی ترتیب کا عزم کر لیا اور ترکیسر واپسی پر ٹوٹا پھوٹا کچھ مواد جمع کر کے روانہ بھی کیا۔

پھر چار پانچ سال ہوئے نہیں کہ ہمارے ایک اور بزرگ سے ایسی گفتگو

سنی، تو ان سے بھی عرض کیا کہ یہ بات دور، از حقیقت ہے۔

پھر ابھی دو سال ہوئے، ایک جگہ جلسہ قراءت کی نظامت کے دوران ایک قاری صاحب سے اسی طرح کی عبارت سنی گئی۔

تو اب پختہ ارادہ کر لیا کہ اس مغالطہ کا ازالہ لا بدی ہے، بالخصوص جب ایسا طبقہ کسی مغالطہ کا شکار ہو، جس کے مطالعہ و تحقیق پر امت تکیہ کیے ہوئی ہے اور یہ طبقہ کسی مجمع عام میں ایسی گفتگو کرتا ہو، جو سلف و خلف کی متفقہ رائے اور عبارت کے خلاف ہو، تو ایسے وقت وضاحت کی ضرورت اور بڑھ جاتی ہے، کتابیں اور کتب خانے موجود ہیں، ان کی طرف رجوع کیا جائے، کسی مسئلہ کی تلاش و تتبع، تحقیق و تدقیق، کسی بھی علمی زمرہ کا تعارف و تشخص ہوتا ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی غیر محقق گفتگو یا کسی مغالطہ کا سبب ہم اور آپ بن جائیں۔

جیسے کہ ایک مدت تک ہمارے علمی زمرہ کے لوگ دوران گفتگو قرآن کریم کی مجموعی آیات کا عدد ۶۶۶۶ بتلاتے رہے، پھر توجہ دلائی گئی کہ ”عدالآی“ ایک مستقل فن ہے، اس کے رجال و ناقلین میں سے کسی نے اس فن کی کسی کتاب میں یہ عدد بیان نہیں کیا ہے؛ بل کہ کتب تفسیر میں بھی جن مفسرین نے ”عدالآی“ سے بحث فرمائی ہے اور ”عدالآی“ سے متعلق اقوال مختلفہ بیان فرمائے ہیں، مگر یہ قول کسی نے بیان نہیں فرمایا، بلکہ قرآن کریم کی ہر سورت کی ابتدا میں سورت کی مجموعی آیات کا عدد مذکور ہوتا ہے، ان کو جوڑ لینے سے بھی اس عدد کے مبنی بر مغالطہ ہونے کا یقین ہوتا ہے، چنانچہ لوگوں نے کان دھرے اور توجہ فرمائی۔

امید ہے کہ علمی زمرہ چوں کہ شریعت و علوم شرعیہ کے باب میں بہت ہی قابل اعتماد زمرہ ہے؛ لہذا اس طبقے سے کوئی غیر محقق و بعید از حقیقت گفتگو مناسب نہیں ہوتی، اسی نیک نیتی سے بہ توفیق الہی یہ مختصر و ناقص سعی قرطاس کے حوالے کی جا رہی ہے، کہ اس تحریر سے مصاحف عثمانیہ کے مابین کسی اختلاف کے نہ ہونے کا مغالطہ ختم ہو اور یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ حضرات صحابہ کرامؓ نے ایک خاص حکمت عملی کے تحت مابین المصاحف متعدد مواقع میں اختلاف کو باقی رکھا ہے اور کتب رسم میں ارباب رسم نے سارے مواقع کو مستند انداز میں بیان فرمانے کا اہتمام بھی فرمایا ہے۔

کلمات تشکر

ہم بارگاہ خداوندی میں سجدہ شکر بجالاتے ہیں کہ اس کی نیک توفیق اور غیبی نصرت ہی سے یہ مختصر مضمون ارباب ذوق کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔

اسی طرح ہم بہت ہی ممنون و احسان مند ہیں اپنے مشفق و مربی، خورد نواز و تارتخ ساز صدر القراء مولانا قاری مقری ابوالحسن صاحب اعظمی دامت فیوضہم کے، جنہوں نے بڑی محبتوں اور شفقتوں کے ساتھ، اس چھوٹے سے مضمون پر نظر فرمائی، اور اصلاح و مفید مشوروں سے نوازنے کے علاوہ، تقریظ کے عنوان سے اپنے دعائیہ کلمات سے حوصلہ بھی بخشا اور مضمون کی قدر کو بھی بڑھایا، فجزاہم اللہ تعالیٰ أحسن الجزاء۔

اسی طرح شروع سے اخیر تک ہمارے جن عزیزوں نے اس کی تیاری و ترتیب وغیرہ امور میں اپنا گراں قدر تعاون عنایت فرمایا، ان کے بھی ہم بہ صمیم قلب شکر گزار ہیں، اللہ رب العزت انہیں اپنی شایان شان بدلہ عطا فرمائے، آمین۔

اخیر میں ہم بارگاہ خداوندی میں دست بہ دعاء ہیں کہ رب کریم اپنے فضل خاص سے اس کاوش کو شرف قبول عطا فرمائے اور اس محتاج لطف و کرم اور والدین و اساتذہ کرام کے حق میں ذریعہ نجات و ذخیرہ آخرت بنائے، آمین، وما ذلک علی اللہ بعزیز۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ رب العزت کی طرف سے ہدایتِ انسانی کی خاطر، ہر زمانے میں جہاں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والتسلیم کی بعثت کا سلسلہ جاری رہا، وہیں حسبِ ضرورت ان پر کتب سماویہ کے نزول کی بابرکت سنتِ الہیہ بھی جاری رہی، چنانچہ مجموعی طور پر چھوٹی بڑی ایک سو چار (۱۰۴) کتابیں نازل کی گئیں؛ لیکن یہ حقیقت ہے کہ منشائے خداوندی کے بہ موجب امم سابقہ ان کتابوں کو قرآن کریم کی طرح محفوظ نہ رکھ سکیں۔

قرآن مجید چوں کہ آخری کتاب ہے اور منشائے خداوندی کے بموجب صرف اسی کو قیامت تک باقی رہنا ہے؛ لہذا اولاً تو اس کی حفاظت کا ذمہ ذاتِ خداوندی نے خود لیا اور اسبابِ حفاظت کے طور پر اپنے نیک بندوں کا انتخاب فرمایا، جنہوں نے بتوفیقِ الہی حفاظتِ قرآنی کے لیے کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا، روز اول ہی سے اس کے حفظ اور ضبط و تحریر یعنی حفظ و کتابت دونوں کا اہتمام بلیغ فرمایا، چوں کہ کسی بھی چیز کی حفاظت کے لیے یہی دو طریقے بنیادی اور اصل کہلاتے ہیں، ہاں! یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ تحریر کی عمر حافظہ سے زیادہ ہوتی ہے کہ بڑھتی عمر، پیرانہ سالی اور امراض و افکار جیسے عوارض حافظہ کو متاثر کرتے

ہیں اور یہ اس لیے کہ حافظہ اجزاء جسم سے ہے، مذکورہ الصدر عوارض سے جس طرح دیگر اعضاء متاثر و کمزور ہوتے ہیں، حافظہ بھی ان کی گرفت سے بچ نہیں سکتا، جب کہ عمر تحریر، عمر انسانی سے زیادہ ہی ہوتی ہے، اسی لیے کہا گیا:

کل علم لیس فی قرطاس ضاع و کل سر جاوز الاثنین شاع

دور نبوی اور حفاظت قرآن

چنانچہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ابتدائے نزول ہی سے اپنے پروانوں کو قرآن کریم کے حفظ کی تلقین فرماتے، پھر صرف تلقین پر ہی اکتفاء نہ تھا، بلکہ ترغیب حفظ قرآن کی خاطر مختلف فضائل و انعامات بھی ارشاد فرماتے، نیز قربان جانیے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اپنے پروانہ صفت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ہی سے حفظ و کتابت کی خدمت نہیں لی؛ بل کہ بہ ذات خود بھی حفظ فرمایا اور ہر رمضان المبارک میں حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ نازل شدہ قرآن کریم کے دور کا بھی التزام رکھا، یہاں تک کہ حیات نبوی کے آخری سال میں تو دو (۲) دور فرمائے اور اس طرح امت کو قول و عمل کے ذریعہ حفاظت قرآن کی بڑی عمدہ و مؤثر راہ بھی عنایت فرمائے، جس کا نتیجہ ہے کہ بحمد اللہ تعالیٰ حفظ قرآن کریم اور اس کے دور کا یہ بابرکت سلسلہ تا حال مسلسل جاری ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ تا قیامت جاری رہے گا، حضرات صحابہ کرام نے حفظ سے متعلق غیر معمولی دلچسپی کا ثبوت دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکت کے علاوہ حفاظ قرآن کی بڑی تعداد تیار ہو گئی، نیز حفظ قرآن کی کئی درس گاہیں بھی قائم ہو گئیں۔

پھر اسی صدی حفاظت پر اکتفاء نہ تھا؛ بل کہ تحریری حفاظت کے لیے بھی ابتدائے نزول ہی سے اہتمام کیا گیا کہ جب کبھی کسی آیت یا سورت کا نزول ہوتا، تو حضور ﷺ حضرات صحابہ کرام میں سے کتابت و املاء سے واقف حضرات کو یاد فرماتے، وہ بہ صد شوق و سعادت حاضر ہوتے اور بڑی محنت و مشقت و عرق ریزی سے کتابت فرماتے، چنانچہ اسباب تحریر بہ آسانی میسر نہ ہونے کے باوجود تحریری حفاظت میں وہ اپنی مثال قائم فرما گئے، اور جیسا کہ سارے ہی لوگوں نے لکھا ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے حسب سہولت اونٹ کی چوڑی ہڈی کو صاف کر کے اور چمڑے کو دباغت کے ذریعہ پاک کر کے اس پر قرآن کریم کو لکھا، تو کسی نے پتھر کی باریک تختیوں اور پتلے ٹکڑوں پر کندہ کر کے لکھا، تو کسی نے کھجور کی شاخوں پر، یوں تاریخ ساز محنت و عرق ریزی سے قرآن کریم کی تحریری حفاظت کا بھی عدیم المثال اہتمام فرمایا، اور تیس (۲۳) سال کے طویل عرصہ تک حفظ و کتابت اور تلقین و تدریس کے مختلف طریقوں سے قرآن کریم کی حفاظت کا زبردست نظام رہا۔

حفاظت قرآن اور فکر عمرؓ

پھر حضور ﷺ اس دنیا سے تشریف لے جاتے ہیں اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خلیفۃ المسلمین ہوتے ہیں، اس وقت تک تو قرآن کریم تحریری طور پر یکجا (جمع) نہ تھا؛ بل کہ مختلف اجزاء قرآنیہ، مختلف چیزوں پر مکتوب اور منتشر انداز میں

لوگوں کے پاس محفوظ تھے، کسی کے پاس کچھ حصہ، تو کسی کے پاس کچھ اجزاء، کسی کے پاس کوئی سورت، تو کسی کے پاس کوئی آیت لکھی ہوئی تھی، لیکن اب تک قرآن کریم یکجا (جمع) نہ تھا اور حیات طیبہ میں قرآن کریم کو تحریری طور پر ایک جگہ جمع اس لیے نہیں کیا گیا کہ ابھی وحی یعنی نزول قرآنی کا سلسلہ جاری تھا، کچھ آیات کی تنسیخ بھی جاری تھی، تو کچھ آیات نازل بھی ہو رہی تھیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکت ابھی موجود تھی اور شب و روز حفاظ قرآن کی تعداد میں اضافہ ہو رہا تھا اور امت کے وفور شوق اور جذبہ عشق و وفا کے دھارے نے حفظ قرآن کا رخ اپنایا تھا، نیز کفار و مشرکین سے جنگ و جہاد میں ابھی تیزی بھی نہیں آئی تھی۔

مگر جب حبیب کبریا، سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے پردہ فرما گئے اور صدیق اکبر خلیفہ ہوئے، تو آپ کے دورِ خلافت میں فتوحات اور اسلامی دنیا کا دائرہ وسیع ہونے لگا، کفار و مشرکین کے ساتھ جنگ و جہاد میں بھی اضافہ ہوا، اور مختلف مقامات پر ان سے مڈ بھڑ ہونے لگی اور اسلامی لشکر کے افراد شہید بھی ہونے لگے، جن میں حاملین قرآن و حفاظ قرآن کی بھی ایک تعداد ہوتی، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ ”فتح الباری“ میں جمع قرآنی کی ضرورت اور اس کے عوامل و دواعی سے متعلق مختلف روایتیں نقل فرماتے ہیں:

(۱) جن میں ایک روایت حضرت سفیان بن عیینہؒ کی ہے، آپ فرماتے

ہیں: فلما قتل سالم مولیٰ ابي حذيفة خشي عمر أن يذهب القرآن، ف جاء إلى ابي بكر رحمه الله... الخ.

(۲) نیز ایک روایت یہ بھی نقل فرمائی: ”إن عمر سئل عن آية من

كتاب الله فقيل: كانت مع فلان، فقتل يوم اليمامة، فقال إننا لله. اس طرح کے واقعات سے حضرت عمر فاروقؓ کے قلب صافی میں حفاظت قرآن کریم سے متعلق خطرہ کا احساس انگڑائی لینے لگا اور وہی حفاظت قرآن کا قوی محرک بنا۔

(۳) پھر خاص طور پر جب جنگ یمامہ ہوئی، جس میں نجد کا شہر یمامہ،

جو کہ مسیلمہ کذاب کا صدر مقام تھا، اور یہاں اسی کا سکہ رائج تھا، قبیلہ بنو حنیفہ کے لوگ مسیلمہ کی جھوٹی نبوت تسلیم کر کے اس کی ترویج میں پوری طرح سرگرم عمل تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف تن من دھن کی بازی لگا کر مسیلمہ کے شانہ

بہ شانہ کام کر رہے تھے اور اس طرح اپنی ہلاکت و بربادی کو دعوت ہی نہیں دے رہے تھے؛ بل کہ حتمی اور یقینی بناتے ہوئے جہنم کا ایندھن بن رہے تھے،

نتیجہٴ خلیفۃ المسلمین صدیق اکبرؓ کے دور خلافت میں مسلمانوں کے ساتھ بڑی شدت کی تاریخی جنگ ہوئی، جس میں مسیلمہ کے چالیس ہزار کے لشکر جرار کو

صرف شکست ہی نہیں ہوئی، بلکہ مسیلمہ کذاب کو بھی حضرت وحشی نے قتل کر کے کیفر کردار تک پہنچایا؛ حضرت وحشیؓ مسیلمہ کے قتل پر فرماتے تھے کہ: ”میں

نے زمانہ جاہلیت اور حالت کفر میں اسلام کے ایک اہم ترین اور قیمتی فرد حضرت حمزہؓ کو قتل کیا تھا، تو اب حالت اسلام میں اس کی مکافات کے طور پر اسلام کے

ایک عظیم دشمن: مسیلمہ کو قتل کر کے اس کا قرضہ چکا دیا“ بہر حال بڑی گھمسان کی لڑائی ہوئی اور اس عظیم جنگ میں مسیلمہ کے چالیس ہزار کے لشکر میں سے سترہ

ہزار آدمی واصل جہنم ہوئے، جب کہ مسلمانوں کے تیرہ ہزار افراد پر مشتمل لشکر میں سے بارہ سو افراد نے جام شہادت نوش کیا، جن میں سے سات سو افراد حفاظ و قراء قرآن تھے، اسی وجہ سے علامہ شاطبیؒ راسیہ میں فرماتے ہیں :

وبعد بأس شديد حان مصرعه و كان بأساعلي القراء مستعرا

اتنی بڑی تعداد میں حفاظ و قراء کی شہادت کا پہلا موقع تھا، الغرض ان مختلف وجوہ و واقعات کے پیش آنے سے حفاظت قرآنی سے متعلق حضرت عمر فاروقؓ کا احساسِ خطرہ اور تیز ہو گیا اور جمع قرآنی کے لیے حضرت عمر فاروقؓ کی بے چینی و بے کلی شدت پکڑ گئی، چنانچہ غیر معمولی و امتیازی اوصاف کے حامل حضرت عمر فاروقؓ، جن کے متعلق سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ”إن الله جعل الحق على لسان عمر و قلبه“.

نیز بخاری و مسلم میں عمر فاروقؓ کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی نقل کیا گیا ہے: ”لقد كان فيما قبلكم من الأمم محدثون، فإن يكن في أمتي أحد فإنه عمر. (محدثون: أي الملهمون، یعنی جن کے قلوب پر اللہ رب العزت کی طرف سے اہم مواقع میں قیمتی، غیر معمولی اور ایسی باتوں کا القاء ہوتا ہو، جہاں تک عام ذہنی رسائی نہیں ہوتی) [تاریخ القرآن لکردی ص ۳۲۱]

ایسی دور رس نگاہ رکھنے والے خیر اندیش عمر فاروقؓ اپنی الہامی رائے لے کر خلیفۃ المسلمین حضرت صدیق اکبرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ قرآن کریم، جو اس وقت مختلف لوگوں کے پاس منتشر انداز میں مکتوب

موجود ہے، اس کو یکجا لکھ کر محفوظ کر لیا جائے، تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آئندہ اس طرح کی جنگیں و معرکے ہوتے رہیں اور ایسے صحابہ کرام جن کے سینے میں قرآن کریم کا گنجینہ ہے اور جن کے پاس قرآن کریم مکتوب شکل میں محفوظ ہے، وہ شہید ہوتے رہیں، تو قرآن کریم کی حفاظت کو خطرہ لاحق ہو جائے گا۔

الغرض عمر فاروقؓ گھبرائے ہوئے صدیق اکبرؓ کے یہاں جا کر قرآن کریم کو یکجا کرنے کی تجویز پیش کرتے ہیں، لیکن ابھی صدیق اکبرؓ کو اس پر اطمینان و شرح صدر ہوتا نظر نہیں آ رہا تھا، چنانچہ پہلی مرتبہ درخواست و تجویز پر کوئی نتیجہ مرتب نہیں ہوا اور ادھر قلب عمر کو اس باب میں مشاہدات سے بھی زیادہ انشراح تھا، تو دوسری مرتبہ تشریف لے گئے اور اب کی بار درخواست کرتے ہوئے ان کی آواز قدرے بلند ہو گئی، جیسا کہ ملا علی قاریؒ کی عبارت سے پتہ چلتا ہے: ” ذکر عمر الفاروق بأعلى صوته للصدیق تنبہا له علی ذہولہ وغفلتہ عن مقام التحقیق“۔ (الہبات السنیۃ شعر نمبر ۲۵)

دور صدیقی اور حفاظت قرآن

بہر کیف صدیق اکبرؓ کو جب اللہ رب العزت نے شرح صدر فرمایا، تو آپ نے ایک مجلس مشاورت طلب فرمائی، جس میں خلفاء اربعہ، عشرہ مبشرہ اور حضرت سالم مولیٰ ابی حدیفہ جیسے اکابر صحابہ موجود تھے، سب نے حضرت عمرؓ کی رائے سے اتفاق فرمایا اور طے پایا کہ اس کام کے لیے ایک بورڈ تشکیل دیا جائے، جو سرکاری طور پر اس کام کو انجام دے، چنانچہ سات افراد پر مشتمل

ایک کمیٹی کی تشکیل ہوئی، اور صدیق اکبرؓ نے انہیں یہ ہدایت فرمائی کہ اولاً کسی بھی آیت کو لکھنے سے قبل یہ ساتوں حضرات اپنے اپنے حافظہ سے اس کی تصدیق فرمائیں، اور تحریری شکل میں آئی ہوئی آیت سے متعلق جب دو صحابی یہ گواہی دیں کہ یہ آیت حضور اکرم ﷺ کے روبرو لکھی گئی ہے، تب جا کر اسے قرآنیت کے لیے قبول کیا جائے، یعنی محفوظ کا مکتوب سے اور مکتوب کا محفوظ سے جب تک انطباق نہ ہو جائے، اسے قبول نہ کیا جائے، یوں ہر آیت کریمہ کو حفظ و کتابت کی تصدیق و توثیق کے بعد ہی قبول کیا جائے۔

پھر جمع قرآنی کے اس عظیم کارنامہ کے لیے دور نبوی کے سب سے بڑے کاتب وحی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو بطور امیر و مسئول منتخب کیا گیا اور اس تاریخی کارنامہ کی ذمہ داری ان کے سپرد ہوئی؛ لیکن جیسا کہ صاحب کتاب المصاحف نے بیان کیا ہے: ”فأبى حتى استعان عليه بعمر، ففعل“۔ (ج ۱، ص ۱۶۹)

حضرت زید بن ثابتؓ نے تنہا اس خدمت کی انجام دہی سے اعتذار کرتے ہوئے حضرت عمر فاروقؓ کے تعاون کی خواہش ظاہر فرمائی کہ اتنا زبردست کام تنہا کر پانے کی ہمت نہیں ہے؛ لہذا معاون کی حیثیت سے حضرت عمر فاروقؓ کو طے کیا جائے، چنانچہ آپ کی اس درخواست کو منظور کیا گیا اور حضرت عمر فاروقؓ کو معاونت کی ذمہ داری سپرد کرتے ہوئے فرمایا: ”اقعدا علی باب المسجد، فمن جاء كما بشاهدين علی شيء من كتاب الله فاكتباه“۔ گو اس اثر کے ظاہر سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ جمع قرآنی کی ذمہ داری دونوں کے سپرد ہوئی تھی، یعنی دونوں ہی جمع قرآنی کے ذمہ دار تھے؛ لیکن جمہور کی رائے کے



مصاحف عثمانیہ میں باہم اختلاف۔ ایک حقیقت

بموجب اصل ذمہ دار تو حضرت زید بن ثابتؓ ہی تھے، جب کہ حضرت عمر فاروقؓ اس کا نامہ جمع اور طریق جمع پر مشرف و نگران کی حیثیت سے تھے اور یہ فیصلہ جمع قرآنی کے باب میں ایک بڑی گہری حکمت پر مبنی تھا کہ اجزائے قرآنیہ کو لے کر آنے والا ہر فرد حضرت عمرؓ کے مزاج سے واقف تھا؛ لہذا اب اس واقفیت کے بعد کسی کا بھی اجزائے قرآنیہ کو لے کر کمیٹی کے پاس آنا ان اجزاء قرآنیہ سے متعلق یک گونہ اطمینان کہلاتا۔

اس جگہ حافظ ابن حجرؒ ایک بڑی عمدہ عبارت میں اس حقیقت کو بیان فرماتے ہیں کہ وفات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر جب نزول قرآن کا سلسلہ ختم ہو گیا تو وعدہ خداوندی "وانالہ لحافظون" کی تکمیل کے لیے اللہ رب العزت نے خلفاء راشدین کے قلب پر جمع قرآنی کی بہترین شکل کا الہام فرمایا، جس کی ابتداء - بہ مشورہ حضرت عمرؓ - صدیق اکبرؓ سے ہوئی، چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ "جمع اول" کے "محکم اول" اور صدیق اکبرؓ، کتاب اللہ کے "جامع اول" ہیں، نیز حضرت علیؓ و دیگر حضرات صحابہؓ سے اس کی تائید و توثیق ہوئی۔

اس موقع پر ملا علی قاریؒ نے "شرح رائیہ" میں حضرت عمر فاروقؓ کے اس اظہارِ خطرہ میں پائے جانے والے ایک باریک نکتہ کی طرف ذہنوں کو متبادر کرایا ہے اور سوال و جواب کے انداز میں اس کی نوعیت کو اجاگر فرمایا ہے، چنانچہ وہ رقم فرماتے ہیں:

سوال: عمر فاروقؓ کے سامنے جب آیت کریمہ "انانحن نزلنا الذکر وانالہ لحافظون" تھی، پھر آپ کو حفاظت قرآن کے باب میں کیسے خطرہ ہوا؟

جب کہ قرآن کریم کی حفاظت تو من جانب اللہ ہونی ہی تھی؟

جواب (۱): ملا علی قاریؒ اس کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: ”انہ کان مکتوباً متفرقاً، فیذهب البعض بذهاب البعض، فلم یعلم کیف کان وضع کتابتہ ولا لفظہ وأداء قرائتہ، أو خاف أن یقطع تواترہ فی بعض الأوقات أو فی الأظرف، أو خاف من التحریف والخلاف. (المہبات السنیۃ ج ۱ ص ۲۷۷)

یعنی ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ قراء و حفاظ کی اتنی بڑی تعداد کے شہید ہو جانے سے خطرہ الفاظ قرآنی اور اس کی ادا کی حفاظت کا نہ تھا؛ بل کہ خطرہ یہ تھا کہ کتابت قرآنی یعنی کلمات قرآنیہ کی لکھائی اور اس کا املاء غیر محفوظ ہو جائے گا، یعنی جن کے پاس قرآن کریم کا کوئی حصہ مکتوب و محرر انداز میں تھا، اگر وہ شہید ہو جاتے ہیں، تو وہ تحریر بھی غیر محفوظ ہو جائے گی، جس سے آیت قرآنی کے الفاظ کا املاء و کتابت بھی محفوظ نہ رہے گی اور یہ معلوم نہ ہو سکے گا کہ آیت کا املاء حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کس انداز سے ہوا تھا؟ یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کس انداز سے اس کا املاء کرایا تھا؟ یا یہ کہ اس حصہ کا تواتر یا اس کے پہلوئے نقل کو خطرہ ہو جائے، یا یہ کہ اصل افراد کے پاس تحریر کا باقی نہ رہنا آئندہ کسی تحریف یا اختلاف کا سبب بن جائے۔

سوال (۲): لیکن اس پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ آیت کریمہ ”إنا نحن نزلنا الذکر وإنا لہ لحفظون“ میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی ”جملہ نواجی سے“ حفاظت کا ذمہ لیا اور وعدہ فرمایا ہے، یعنی الفاظ قرآنی، کیفیات تلفظ و وجوہ اداء، نیز کلمات قرآنیہ کا رسم و انداز کتابت، الغرض سبھی کی صیانت و حفاظت کا وعدہ فرمایا

مصاحف عثمانیہ میں باہم اختلاف۔ ایک حقیقت

ہے، پھر نقلی پہلو کے لیے خطرہ کیسا؟

جواب (۲): بعضوں نے تو حضرت عمرؓ کے اندیشے کی وضاحت یوں فرمائی کہ حضرت عمر فاروقؓ کو جو اصل اندیشہ تھا کہ کہیں قرآن مجید کی ترتیب یعنی آیات قرآنیہ کی ترتیب میں اختلاف پیدا نہ ہو جائے؛ کیوں کہ وہ حفاظ صحابہ، جو ترتیب آیات سے واقف ہیں، اگر وہ قرآن پاک کو کتابی صورت میں مرتب انداز پر مدون کرنے سے پہلے ہی اس دنیا سے رخصت ہو گئے، تو اس کا امکان موجود ہے کہ بعد میں آنے والے لوگوں میں آیات قرآنیہ کی ترتیب سے متعلق کوئی اختلاف پیدا ہو جائے۔

یعنی اگر یہ صحابہ کرامؓ اپنے اپنے تحریری ذخائر کو یوں ہی غیر مرتب وغیر مدون چھوڑ کر دنیا سے جاتے رہے اور آئندہ لوگوں کے پاس ان کے یہ تحریری ذخائر پہنچیں گے اور بور یوں و صندوقوں میں قرآن مجید کے یہ منتشر اجزاء بھرے ہوں گے، تو کون بتائے گا کہ ان کی ترتیب کیا ہے؟ کون سی آیت کس کے بعد ہے؟ کون سی آیت کس سورت کا حصہ ہے؟ مثلاً "اقرأ باسم ربك" سے "ما لم يعلم" تک جو حصہ ایک کاغذ میں لکھا ہے، اس کا بقیہ کون سا ہے؟ یا اس بات کا بھی عقلاً امکان و احتمال تھا کہ بعد میں چل کر لوگ اپنے اپنے طور پر ان منتشر اجزاء کو ترتیب دے کر قرآن مجید کے چند نسخے تیار کریں اور ان میں باعتبار ترتیب کے باہم فریق و اختلاف ہو۔ (محاضرات قرآنیہ ص ۱۲۹-۱۳۰)

توجیہ بلیغ

البتہ اس موقع پر ”الہبات السنیة“ کے محقق و محشی عبد الرحمن بن عبد العزیز السدیس بڑی اچھی اور بلیغ توجیہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ کو ”إنا نحن نزلنا الذکر وإنا له لحفظون“ کے تحت گو حفاظت قرآن کا تو یقین کامل تھا، مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ گو تقدیری طور پر بندہ کو کسی امر کے آئندہ متحقق ہونے کا پیشگی یقین ہو، تاہم اس عالم تکلیف یا عالم اسباب میں اس امر کو بروئے کار لانے کی خاطر بندہ اپنی طرف سے شرعاً سعی کامل کا مکلف ہے، یعنی اللہ رب العزت کی قادر مطلق ذات اپنے اعلان اور وعدہ کے مطابق قرآن کریم کی حفاظت تو کرنے ہی والی ہے۔ کرتی ہی، جو ایک امر تکوینی ہے اور عمر فاروقؓ کو اس امر تکوینی کا علم تو تھا ہی، مگر اس اسباب کی اس دنیا میں سنت اللہ یہ رہی ہے کہ وہ اپنے منتخب بندوں کو ایسے امور تکوینیہ کے لیے بہ طور اسباب استعمال فرماتے ہیں؛ لہذا گو عمر فاروقؓ کو حفاظت قرآنی کا علم و یقین تھا، مگر صرف قدرت الہی کا علم اور اس سے واقفیت کافی نہ تھی؛ بل کہ اس کے لیے اسباب بھی اختیار کرنا ضروری تھا، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے موقع پر فرمایا تھا: ”اللهم إن تشاء لا تعبد بعد اليوم“. (رواہ البخاری) اور مسلم شریف میں ہے: ”اللهم إن تهلك هذه العصابة من أهل الإسلام لا تعبد في الأرض“۔

دیکھیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بدر کے موقع پر فتح کے لیے بارگاہ خداوندی میں اس انداز سے دعا کرنا، یہ جیسے اسباب سے متعلق سوال تھا، اسی طرح عمر فاروقؓ کا خطرہ

واندیشہ بھی اسباب ہی کی قبیل سے تھا؛ لہذا یہ کوئی آیت کے خلاف نہیں تھا۔ (مستفاد
ص ۲۷۷ الہبات السنیۃ)

جمع کے لیے حضرت زید کا انتخاب ایک تعجب خیز امر

یہاں ایک لائق علم امر یہ بھی ہے کہ جمع قرآن ابھی پہلی بار ہو رہا تھا اور
حضرات صحابہ کرام، بالخصوص اکابر صحابہؓ کی بہت بڑی تعداد موجود تھی، اس
کے باوجود جمع قرآنی کے اس عظیم کارنامہ کے لیے بہ طور امیر کے حضرت زید بن
ثابتؓ (جو ابھی جوان تھے) کا انتخاب بظاہر ایک تعجب خیز امر اور محیر العقول
فیصلہ نہ تھا؟؟؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اولاً تو جمع قرآن کا یہ کام بڑا محنت طلب،
دشوار گزار اور تھکا دینے والا تھا، جس کے لیے کسی معتبر، باصلاحیت و باہمت
صحت مند شخص کی ضرورت تھی اور حضرت زید بن ثابتؓ ایک عقل مند جوان
تھے، جیسا کہ صدیق اکبرؓ نے آپ کے نام پر مہر تصدیق ثبت فرماتے ہوئے
فرمایا تھا: ”إنك رجل شاب عاقل لا نتهمك، وقد كنت تكتب الوحي لرسول
الله -صلى الله عليه وسلم-، فتتبع القرآن فاجمعه!“ یعنی آپ ایک عقل مند، سمجھ
دار جوان ہیں، اور کام چوں کہ بڑی عرق ریزی و پتہ ماری کا ہے؛ لہذا ظاہر ہے
کہ اس قدر محنت طلب اور مشکل کام کے لیے جو اس عمر ہی موزوں ہوتے ہیں؛
جب کہ ان کے ساتھ عمر فاروقؓ جیسے صاحب الہام، صائب الرائے، بارعب
اور غیر معمولی حییت و غیرت اسلامی کے حامل موجود تھے۔

(۲) پھر آپؐ بڑے ذہین و فطین بھی تھے، حضور اکرم ﷺ کے ایما پر صرف سترہ روز میں سریانی زبان سیکھ لی تھی، جو آپ کی قوی ذہانت و فطانت کی بین دلیل تھی۔

(۳) نیز آپؐ نے سرکارِ دو عالم ﷺ کی حیات طیبہ ہی میں مکمل قرآن کریم حفظ کر لیا تھا۔

(۴) اور اتنا ہی نہیں بلکہ حضور ﷺ کے سامنے قرآن کریم کی زیادہ تر کتابت آپ ہی نے فرمائی تھی، چنانچہ کتابت وحی کے لیے اکثر آپ ہی کو یاد کیا جاتا تھا۔

(۵) اس کے ساتھ ساتھ صدق و امانت داری میں شہرت یافتہ تھے۔

(۶) دورِ فاروقی و عثمانی میں تفقہ فی الدین میں امتیازی حیثیت کے حامل ہونے کی وجہ سے آپ مدینہ منورہ میں رئیس الافناء والقضاء والفرانس تھے، نیز شیخ القراء کے منصب پر بھی فائز تھے۔

(۷) علاوہ ازیں حیات طیبہ میں حضور ﷺ کی طرف سے عبرانی و سریانی زبانوں میں خطوط نویسی بھی آپ ہی کے ذمہ تھی۔

(۸) سفر میں اکثر آپ ﷺ کے ساتھ ہوتے تھے۔

(۹) نیز حضرات صحابہؓ میں آپ کا ایک خاص امتیاز یہ بھی تھا کہ آپ عرصہٴ اخیرہ کے مشاہد تھے، یعنی: رسول اللہ ﷺ نے آخری سال حضرت جبرئیل امین کے ساتھ جو دور فرمائے، اس میں کون سی آیات منسوخ ہوئیں اور

کون سی باقی ہیں؟ اس کی اطلاع آپ ﷺ نے آپؐ ہی کو دی تھی؛ لہذا منسوخ و غیر منسوخ کی جو واقفیت آپ کو تھی، وہ اوروں کو نہ تھی، پھر آپؐ نے اس کے مطابق حضور ﷺ کو پورا قرآن سنایا بھی تھا، یوں گویا آپ کے حفظ قرآن پر حضور ﷺ نے مہر تصدیق بھی ثبت فرمایا تھا۔

غرض یہ کہ اتنی ساری صفات و خصوصیات، جو حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں متفرق طور پر پائی جاتی تھیں، وہ تنہا حضرت زیدؓ میں ایک ساتھ موجود تھیں، نیز حفظ و کتابت قرآن کے باب میں آپ سرکارِ دو عالم ﷺ کے معتمد تھے، جس کی وجہ سے صدیق اکبرؓ نے بھی یہ کام آپ ہی کے سپرد فرمایا۔

فراست نبوی

بلکہ قربان جائیے فراست نبوی ﷺ پر کہ ایک معتمد، ذہین و فطین باصلاحیت جوان کو صحبت بابرکت میں زیادہ رکھا اور اکثر حصہ قرآن کی کتابت ان ہی سے کرائی، نیز حفظ بھی کرایا حتیٰ کہ عرضہ اخیرہ کی تفصیل سے آگاہ فرمایا اور اس باب میں ان کی خوب اچھی تربیت فرما کر مستقبل میں امت کو جمع قرآن کے حوالہ سے پیش آنے والی ضرورت کے لیے پیشگی انتظام فرماتے ہوئے حضرت زید بن ثابتؓ کو تیار فرما گئے۔

بہر حال شخص واحد میں مذکورہ متعدد اوصاف کے مجتمع ہونے کی وجہ سے حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ نے بھی نبوی اعتماد کے پیش نظر

حضرت زیدؓ ہی کو جمع قرآنی کے لیے بطور امیر مقرر فرمایا اور آپ نے بھی شب و روز کی تمیز ختم کرتے ہوئے بڑے تہیّظ اور غیر معمولی دلچسپی و شوق سے اس خدمت کو انجام دیا۔

جمع قرآن کی مدت - دور صدیقی میں

”تاریخ القرآن للکردی“ میں ہے کہ جمع قرآنی کا یہ عظیم کارنامہ حضرات صحابہ کرامؓ نے ایک سال کی قلیل مدت میں انجام دیا۔ (ص ۲۸) اور یہ یوں قرین قیاس ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت زیدؓ کو اس خدمت پر جنگ یمامہ کے بعد مامور فرمایا تھا۔ اور جنگ یمامہ اور حضرت صدیقؓ کی وفات کے درمیان ایک سال کی مدت ہے۔ (کذافی علوم القرآن صحیحی صالح) جو ایک حیران کن امر ہے؛ کیوں کہ اب تک قرآن پاک کے مختلف اجزاء پتھر کی تختیوں، ہڈیوں، کھجور کی شاخوں اور چمڑوں کے ٹکڑوں پر لکھے ہوئے تھے اور یوں قرآن کریم بلاد اسلامیہ میں لوگوں کے پاس منتشر انداز میں موجود تھا؛ لہذا شہروں اور دیہاتوں کے گوشہ گوشہ میں موجود ان اجزائے قرآنیہ منتشرہ کو سب سے حاصل کر کے یکجا کرنا تھا، جب کہ اسباب آمدورفت اور سامان نقل و حرکت کی بھی فراوانی نہ تھی، نیز قرآن کریم بنیادی ستون ہے، تو اس کے لیے مضبوط شرائط اور احتیاط کے جن پہلوؤں کو ملحوظ رکھا گیا تھا، انہیں دیکھتے ہوئے یہ کوئی آسان کام نہ تھا۔

مگر یہ صرف اور صرف حضرات صحابہ کرامؓ کی غیرت و حمیت اسلامی،

مصاحف عثمانیہ میں باہم اختلاف - ایک حقیقت

عشق الہی، حب نبوی ﷺ نیز ان کی مثالی اولوالعزمی ہی کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے قوت لایموت پر گزر بسر کرتے ہوئے اپنے نفوس قدسیہ کو اللہ تعالیٰ کے لیے وقف و قربان کر رکھا تھا، نیز دنیوی چمک دمک اور اسباب تعیش و تن آسانی سے یکسر آنکھ بند کر کے، جمع قرآنی میں کلی انہماک ہی کو اپنا سرمایہ حیات یقین کیا تھا، اسی وجہ سے اتنا عظیم کارنامہ ایک سال کی قلیل مدت میں ممکن ہوا۔

حاصل کلام یہ کہ بڑی محنت سے قرآن کریم کو مختلف صحف کی شکل میں جمع فرما کر خلیفہ اول کے حوالہ فرمایا اور اس طرح تحریری شکل کے ساتھ یہ صحف صدیق اکبرؓ کے یہاں محفوظ کر لیے گئے، جو حضرت صدیق اکبرؓ کی وفات تک آپ ہی کے پاس رہے، پھر آپ کی وفات کے بعد یہ صحف خلیفہ دوم حضرت عمر فاروقؓ کی تحویل میں رہے، تا آنکہ آپ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا، پھر حضرت عمرؓ کی شہادت کے فوراً بعد یہ صحف حضرت حفصہ بنت عمرؓ کے یہاں بھیج دئے گئے اور تادم حیات آپ ہی کے پاس رہے۔

چوں کہ جمع کا یہ کارنامہ امت پر واجب علی الکفایہ کی حیثیت سے تھا، جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے: "إِن عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ"، "إِن هَذَا الْفِي الصَّحْفِ الْأُولَى، رَسُولٌ مِنَ اللَّهِ يَتْلُو صُفْحًا مَطْهُرًا" چنانچہ صدیق اکبرؓ نے امت کی طرف سے اس فریضہ کو انجام دیتے ہوئے قرآن کریم کو تحریراً جمع کروالیا اور سبب کے طور پر قیامت تک کے لیے اسے محفوظ کر گئے۔

سورہ توبہ کی آخری دو آیتوں کو لے کر کون آیا؟

اس جگہ یہ جاننا بھی مفید ہوگا کہ حضرت زید بن ثابتؓ جمع قرآنی کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ سورہ توبہ کی آخری دو آیتیں: (لقد جاءكم رسول من أنفسكم... سے ختم سورت تک) جنہیں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتے اور پڑھتے تھے، بلکہ انہیں حفظ بھی کیا تھا، مگر وہ کسی کے پاس مکتوب و محرر نہیں مل رہی تھی، چنانچہ ہم انتظار کرتے رہے کہ کوئی تحریری شکل میں لے کر آئے، بالآخر طویل انتظار کے بعد ایک شخص تنہا بلا کسی گواہ کے لے کر آئے، جب کہ صدیق اکبرؓ کی طرف سے یہ تاکید تھی کہ ہر آیت کو دو گواہوں کی گواہی کے بعد ہی قبول کیا جائے۔

سوال: اس موقع پر ائمہ امت کے مابین یہ مسئلہ بھی موضوع بحث ہے کہ مذکورہ صدر دو آیتوں کو لے کر تنہا جو ایک فرد آئے، وہ کون شخص ہیں؟

جواب: اس باب میں اکابر امت کی آراء مختلف اور ناقلمین کے مابین اختلاف ہے، چنانچہ علامہ سخاویؒ اور ملا علی قاریؒ نے شرح رائیہ میں، اسی طرح ابن ابی داؤد سجستانیؒ نے ”کتاب المصاحف“ میں نیز دیگر بہت سے اصحاب قلم نے ان دو آیتوں کو لے کر آنے والے صحابی کا نام حضرت خزیمہ بن ثابت انصاریؓ ذکر کیا ہے؛ بل کہ اس موقع پر بعضوں نے تنہا شخص واحد: یعنی حضرت خزیمہؓ کی شہادت کو دو شخصوں کی گواہی کے برابر ہونے کا واقعہ بھی بالتفصیل بیان کیا ہے۔ (محاضرات قرآنی ص ۱۳۴)

جب کہ شیخ محمد طاہر بن عبدالقادر کر دی کی ”تاریخ القرآن“ میں ہے کہ وہ شخص حضرت ابو خزیمہؓ ہیں، نہ کہ حضرت خزیمہ بن ثابت۔

پھر حاشیہ میں اس کی تفصیل کرتے ہوئے محشی لکھتے ہیں: ”وقد جاء من طريق أبي العالية أنهم لما جمعوا القرآن في خلافة أبي بكر كان الذي يملئ عليهم أبي بن كعب - رضي الله عنه -، فلما انتهوا من ”براءة“ إلى قوله ”يفقهون“ ظنوا أن هذا آخر ما نزل فيها، فقال: أبي بن كعب رضي الله عنه: أقرني رسول الله - صلى الله عليه وسلم - آيتين بعدهن: ”لقد جاءكم رسول من أنفسكم... إلى آخر السورة“.

اسی طرح حافظ ابن حجرؒ اس مسئلہ پر بحث فرماتے ہوئے اولاً تین قول بیان فرماتے ہیں: (۱) وہ شخص حضرت خزیمہ بن ثابتؓ ہیں، (۲) وہ شخص ابو خزیمہؓ ہیں، اور (۳) تیسرا قول یہ ہے کہ نام کو روایت کرتے ہوئے راوی کو جب شک ہوا، تو فرمایا: خزیمہ أو أبو خزیمة، اس کے بعد حافظ فرماتے ہیں: ”والأرجح أن الذي وجد معه آخر سورة التوبة أبو خزيمه بالكسبية، والذي وجد معه الآية من الأحزاب خزيمة“.

گویا حافظؒ کی رائے میں راجح یہی ہے کہ سورہ توبہ کی آخری آیت دو آیتوں کو لے کر جو آئے ہیں، وہ ابو خزیمہؓ ہیں، جب کہ سورہ احزاب کی آیت کو حضرت خزیمہ بن ثابتؓ لے کر آئے۔ چنانچہ حافظؒ اس کی تائید میں ابن ابی داؤد سے یہ روایت بھی نقل فرماتے ہیں: ”وأخرج ابن أبي داود عن حمه الله تعالى - من طريق محمد بن إسحق عن يحيى بن عباد بن عبد الله بن الزبير عن أبيه

قال: أتى الحارث بن خزيمة بها تين الآيتين من آخر سورة "براءة"، فقال: أشهد أني سمعتهما من رسول الله - صلى الله عليه وسلم - ووعيتهما، فقال عمر: وأنا أشهد لقد سمعتها، ثم قال: لو كان ثلث آيات لجعلتها سورة على حدة". (ج ٩، ص ١٥١)

علامہ زرکشی نے بھی "البرهان" میں اسی کو اختیار کیا ہے۔ (دیکھیے: ص ٢٣٢)

ایک اعتراض اور اس کا جواب

سوال: اس پر ایک اشکال ہو رہا ہے کہ پھر سورہ توبہ کی ان دونوں آیتوں کو کیا صرف شخص واحد (ابو خزیمہ) ہی کی شہادت پر درج کیا گیا؟

جواب: اس سے متعلق حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ: گو مکتوب انداز میں یہ دو آیتیں صرف حضرت ابو خزیمہؓ کے پاس ملیں، ورنہ حضرت زید بن ثابتؓ کو پہلے سے یہ آیتیں تو یاد تھیں اور اسی وجہ سے تو آپ نے اسے تلاش کروایا اور حضرت عمرؓ کو بھی یاد تھی، جیسا کہ گزرا، پھر جب حضرت ابو خزیمہؓ لے کر آئے، تو چوں کہ حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت عمرؓ دونوں کو یہ حفظ تھیں؛ لہذا دونوں نے اپنے حافظہ سے ابو خزیمہؓ کی تصدیق و تائید فرمائی اور اس طرح ان دونوں آیتوں سے متعلق تینوں نے شہادت دی اور اتفاق فرمایا۔

مزید برآں حافظ ابن حجرؒ نے اس کی بھی وضاحت فرمائی ہے کہ جب خلافت عثمانی میں دوبارہ جمع اور قرآن کریم کی رسم و اطلاع کی ضرورت پیش آئی اور حضرت زید بن ثابتؓ، قرآن کریم کی از سر نو کتابت فرما رہے تھے، اس وقت

بھی سورہ احزاب کی ایک آیت "من المؤمنین رجال صدقوا ما عاهدوا اللہ علیہ" کو لے کر کوئی نہیں آ رہا تھا، تو حضرت زیدؓ نے اسے تلاش کروایا، بالآخر یہ آیت کریمہ حضرت خزیمہ بن ثابت انصاریؓ کے پاس ملی، جس کو حضرت زیدؓ نے سورہ احزاب میں لکھ کر مصحف میں شامل فرمایا۔

الغرض اس پر تو اتفاق ہے کہ جمع اول کے موقع پر سورہ توبہ کی آخری دو آیتیں اور جمع ثانی کے وقت سورہ احزاب کی ایک آیت، جو حضرت زیدؓ کو یاد تھیں، مگر کوئی انہیں مکتوب و محرر انداز میں لے کر نہیں آ رہا تھا، تو حضرت زیدؓ نے انہیں تلاش کروایا، پھر اس پر اتفاق ہے کہ دونوں مرتبہ ان آیتوں کو محرر انداز میں لے کر ایک ایک شخص ہی آئے البتہ اس میں اختلاف ہے کہ کس آیت کو کون لے کر آیا ہے؟

فائدہ: حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ابو خزیمہ کے مصداق سے متعلق ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ ابن اوس بن یزید بن اصرم ہیں، جو اپنی کنیت ابو خزیمہ سے مشہور ہیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ ابو خزیمہ سے مراد حارث بن خزیمہ ہیں۔

بہر حال یہ جمع قرآنی، اسلامی تاریخ کا ایک عظیم الشان اور بے مثال کارنامہ ہے، جس کو مؤرخین اور اوراق تاریخ پر سنہرے قلم سے لکھتے ہوئے فخر محسوس کرتے ہیں، یہ وہ کارنامہ ہے، جسے عمر فاروقؓ کی تحریک پر صدیق اکبرؓ نے حضرت زید بن ثابتؓ کے ذریعہ انجام دلایا اور حضرت زید بن ثابتؓ نے اسے بہ معاونت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین بڑی عرق ریزی و تن دہی سے انجام دیا اور قرآن کریم کو متعدد صحف کی شکل میں لا کر جمع فرمایا، جس کے نتیجے

میں قرآن کریم قیامت تک کے لیے محفوظ و مضمون ہو گیا، پھر ان صحف متعددہ کو خلیفۃ المسلمین حضرت صدیق اکبرؓ کے حوالہ کر دیا گیا، جو آپ کی حیات مبارکہ تک آپ ہی کے پاس رہے اور آپ کی وفات کے بعد ان صحف کو خلیفہ دوم حضرت عمر فاروقؓ کی تحویل میں دے دیا گیا، پھر عمر فاروقؓ کی شہادت پر چوں کہ ابھی خلیفہ ثالث کی تعیین نہیں ہوئی تھی، تو ان صحف کو ام المؤمنین حضرت حفصہ بنت عمرؓ کے یہاں بھیج دیا گیا، جو اخیر تک آپ ہی کے پاس رہے۔

جمع صدیقی کے اہم و بنیادی پہلو (جمع صدیقی کے بنیادی نکات) درج

ذیل ہیں:

(۱) جمع صدیقی سرکاری سطح سے ہوا تھا۔

(۲) اس میں آیت کریمہ کو بڑی تحری، بحث و مباحثہ اور پختہ شہادتوں کے بعد ہی قرآن کریم میں شامل کر کے لکھا گیا تھا۔

(۳) منسوخ التلاوة آیات کو اس جمع میں قبول نہ کرتے ہوئے قرآن کریم میں شامل نہیں کیا گیا، بلکہ انہیں قرآن کریم سے حذف کر دیا گیا۔

(۴) ائمہ امت کا اس پر اتفاق ہے کہ آیات قرآنیہ کی ترتیب اس جمع کا وصف خاص رہا ہے، یعنی آیات قرآنیہ، جو اب تک لوگوں کے پاس غیر مرتب انداز میں لکھی ہوئی محفوظ تھیں، یہ وقت جمع انہیں ترتیب دے کر سورتوں کو مکمل کیا گیا، البتہ سورتوں کی ترتیب سے متعلق ارباب علم کے مابین اختلاف ہے۔

مصاحف عثمانیہ میں باہم اختلاف۔ ایک حقیقت

جمع عثمانی

جیسا کہ ماقبل میں مذکور ہوا، کہ دور صدیقی میں قرآن کریم کو سرکاری طور پر بہ شکل صحف جمع کروا کر امیر المؤمنین حضرت صدیق اکبرؓ کے یہاں محفوظ کر لیا گیا تھا۔

ادھر وفات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا عرصہ جوں جوں بڑھتا اور طویل ہوتا اور فتوحات اسلامی کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جا رہا تھا، بالخصوص دور عمری میں تو سلسلہ فتوحات میں غیر معمولی تیزی آئی اور بہت بڑی دنیا اسلام و مسلمانوں کی دینی، دنیوی و اخلاقی خوبیوں کو سلام کرتے ہوئے داخل اسلام ہونے لگی تھی، یوں افراد امت میں اضافہ شب و روز کا سلسلہ ہو گیا تھا اور عرب سے سینکڑوں و ہزاروں کیلومیٹر دور مختلف خطے و علاقے، افراد امت سے آباد ہو گئے تھے۔

پھر شہادت عمری کے بعد ۲۲ھ کی بالکل ابتداء میں جب حضرت عثمان ذی النورینؓ خلیفہ ہوئے، تو فتوحات کا یہ سلسلہ تیز تر ہو گیا اور بہت سے ممالک و بلاد مشرف بہ اسلام ہوئے، چنانچہ آپ کے عہد بابرکت میں علاوہ علاقہ رومی، روم کے بہت سے علاقے اندلس اور خراسان کے بہت سے خطے، نیشاپور، طوس، سرخس، مرو اور بلخ وغیرہ فتح ہوئے، جس کی وجہ سے مختصر سے وقت میں تعلیمات اسلامی اور تلاوت کلام الہی سے لوگوں میں ایسی دلچسپی اور وہ شوق پیدا ہوا، جس کا تصور بھی اس سے قبل نہ تھا، عقلیں حیران تھیں۔

قراءات مختلفہ بلاد اسلامیہ میں

چنانچہ ان تشنہ لبوں کی سیرابی کے لیے بارگاہ رسالت سے حیرت انگیز تربیت پائے ہوئے صحابہ کرام نے، اپنے اوطان سے سینکڑوں و ہزاروں میل کا سفر فرمایا، دور دراز کے مختلف خطوں اور علاقوں میں قیام پذیر ہو کر وہاں قرآن کریم و امور دینیہ کی تعلیم و تعلم کا نیک سلسلہ جاری فرمایا، ہزاروں اور لاکھوں قلوب کو محبت قرآنی سے معمور کیا، جس کے نتیجے میں قرآن کریم انسانیت کے بے شمار افراد کی ضرورت بن گیا، تلاوت قرآن کا میجر العقول شوق، ان کے قلوب میں موجزن نظر آیا، چنانچہ مختلف بلاد کے بے شمار افراد نے اپنے شوق کی تسکین اور اپنی اپنی ضرورت کی تکمیل کی غرض سے قرآن کریم کے ہزاروں نسخے تیار کر لیے۔

ادھر یہ بھی احادیث سے تصدیق شدہ حقیقت ہے کہ رحمۃ اللعالمین ﷺ نے وقت نزول ہی سے امت کے مختلف طبقات کے لیے بارگاہ خداوندی سے مختلف لغات و لہجات میں تلاوت قرآنی کی اجازت طلب فرمائی تھی، جس کے نتیجے میں قرآن کریم کا نزول مختلف لغات، لہجوں اور طرز اداء میں ہوا تھا اور آپ نے بہ نفس نفیس حضرات صحابہ کرام کو اپنی لغت اور لہجہ کے مطابق تلاوت کلام الہی کی تعلیم فرمائی تھی، یوں آپ ﷺ نے مختلف طرز، انداز و متعدد وجوہ میں حضرات صحابہ کرام کو قرآن کریم سکھا یا تھا، لہذا کوئی صحابی رسول ﷺ کسی لغت و لہجہ میں تو کوئی کسی اور لغت میں تلاوت کرتا۔

چنانچہ یہ حضرات صحابہ کرام جب دنیا کے مختلف بلاد میں پھیل گئے

اور مشرف بہ اسلام لوگوں کے لیے قرآن کریم کی تعلیم کا سلسلہ جاری فرمایا تو ”۴۴ حرف سبعہ“ یعنی مختلف وجوہ اداء میں سے جس طرز تلفظ میں انہوں نے درس گاہ نبوی ﷺ سے سیکھا تھا، اسی وجہ اداء میں وہ لوگوں کو قرآن کریم سکھلاتے، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام و احکام اسلام کے ساتھ ساتھ، قرآن کریم کی یہ مختلف وجوہ اداء و احرف سبعہ بھی دنیا کے مختلف خطوں اور علاقوں میں پھیل گئیں اور مختلف بلاد میں مختلف قراءتیں پڑھی، پڑھائی جانے لگیں، چنانچہ مشہور ہے کہ ملک شام میں قراءت اُبی بن کعب شائع تھی اور لوگ اسی قراءت میں قرآن کریم کی تلاوت فرماتے۔

اسی طرح اہل عراق قراءت عبد اللہ بن مسعودؓ کے عادی تھے اور اسی میں تلاوت کرتے اور عام اہل عراق قراءت اُبی بن کعبؓ سے واقف نہ تھے اور عام اہل شام قراءت ابن مسعودؓ سے واقف نہ تھے۔

اسی وجہ سے بہ کثرت ایسے واقعات رونما ہونے لگے کہ ایک قراءت کا حامل جب دوسری قراءت کے حامل کو سنتا، تو قراءت کے باب میں، ان کے علمی دائرے کے محدود ہونے کی وجہ سے، ایک دوسرے کا انکار کرتا؛ بل کہ بعض مرتبہ تو یہ انکار اس حد تک پہنچ جاتا کہ ایک طرز تلفظ کا حامل جب اپنے علاوہ دوسرے تلفظ میں کسی کو سنتا، تو اس پر فتوے کفر بھی جاری کر دیا کرتا۔

بل کہ امام ابن ابی داؤد سجستانی نے ”کتاب المصاحف“ میں اور حافظ ابن حجرؒ نے ”فتح الباری“ میں، اسی طرح دیگر کئی حضرات نے بیان کیا ہے کہ خود

مدینہ منورہ میں ایک معلم اپنے تلامذہ کو ایک قراءت میں، اور دوسرا معلم اپنے طلبہ عزیز کو دوسری قراءت میں قرآن کریم سکھاتا، پھر یہ طلبہ جب باہم جمع ہوتے اور ایک دوسرے کو اپنے طرز تلفظ کے علاوہ میں قرآن کریم پڑھتے ہوئے سنتے، تو باہم ایک دوسرے کی قراءت کا صرف انکار ہی نہیں کرتے؛ بل کہ ایک دوسرے کی تکفیر کرتے، چنانچہ ایسے واقعات خلیفۃ المسلمین حضرت عثمان غنیؓ کے یہاں پہنچے، تو آپ نے بڑے افسوس کا اظہار فرمایا۔

اور ایک مرتبہ اظہار افسوس کے طور پر لوگوں سے فرمایا کہ آپ مدینہ منورہ میں ہمارے ساتھ رہتے ہوئے اگر اس طرح کا اختلاف کرتے ہیں، تو جو لوگ یہاں سے بہت دور ہیں، نہ معلوم ان کے مابین کا اختلاف کس شدت کا ہوگا؟

اسی طرح حافظ ابن حجرؒ ابن ابی داؤدؒ سے روایت بیان فرماتے ہیں کہ یزید بن معاویہؓ کہتے ہیں کہ: میں ولید بن عقبہ کے زمانہ میں مسجد میں لگے حلقات قرآنیہ میں سے ایک حلقہ میں بیٹھا، جس میں حضرت حذیفہؓ بھی موجود تھے، میں نے ایک شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ یہ ابن مسعودؓ کی قراءت ہے، تو دوسرا کہہ رہا تھا کہ میری قراءت ابو موسیٰ اشعریؓ کی قراءت ہے، جس پر حضرت حذیفہؓ کو بڑی ناراضگی ہوئی اور فرمایا کہ اقوام سابقہ اسی طرح اختلاف کیا کرتی تھیں، میں خلیفۃ المسلمین سے جا کر اس کی شکایت کروں گا۔

بلکہ ایک روایت میں مذکورہ اختلاف سے متعلق یہ وضاحت بھی ہے کہ ایک شخص "وَأْتَمُوا الْحَجَّ وَالْعَبْرَةَ لِلَّهِ" پڑھ رہا تھا، اور دوسرا "وَأْتَمُوا الْحَجَّ وَالْعَبْرَةَ"

لللبیت“ پڑھ رہا تھا، جس پر حضرت حذیفہ اس قدر خفا ہوئے کہ آپ کی آنکھیں سرخ ہو گئیں اور فرمانے لگے کہ جب امیر المؤمنین کے یہاں جاؤں گا، تو بہ اصرار عرض کروں گا کہ نامزد قراءتیں، جو بہ کثرت پڑھی پڑھائی جا رہی ہیں، ان کے نام ختم کروادیے جائیں، اختلاف کا بڑا سبب نام ہے، اس کو ختم کیا جائے۔

(فتح الباری ج ۹، ص ۱۸۱)

اختلاف کی شدت اور حضرت حذیفہؓ کا اضطراب

اسی طرح جب حضرت عثمان غنیؓ نے آرمینیا و آذربائیجان کو فتح کرنے کی غرض سے اہل شام و عراق کے نام یہ فرمان جاری فرمایا کہ وہ اس کے لیے تیاری کریں اور مجتمع ہو جائیں! چنانچہ شامی و عراقی فوجی جمع ہوئے، جن میں حضرت حبیب بن مسلمہ الفہری، شامی لشکر کے امیر مقرر کئے گئے تھے، جب کہ حبش عراقی کی زمام حضرت سلمان بن ربیعہ الباہلی سنجہال رہے تھے اور چوں کہ اس اجتماعی لشکر میں بڑی تعداد حضرات تابعین کی تھی، تو ان کی یہ خواہش تھی کہ کسی صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیر نگرانی یہ خدمت انجام دیں کہ ان کی برکت سے بہ آسانی فتح حاصل ہو سکے، چنانچہ اس جنگ میں بہ حیثیت مشرف حضرت حذیفہ بن الیمانؓ کو بھیجا گیا تھا۔

بہر حال آپؓ اس جنگ میں شریک تھے، اب کیا دیکھتے ہیں کہ شام و عراق کے فوجی جب تلاوت کے لیے بیٹھتے یا نماز کے لیے کھڑے ہوتے اور

قراءت کرتے تو دونوں کی قراءت و طرز تلفظ میں باہم اختلاف ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے کی قراءت کا انکار کرتے؛ حتیٰ کہ قراءت کی سند بیان کرنے اور حوالہ دینے کے باوجود اس کی تردید کی جاتی اور عراقی فوجی، شامی فوجی کی قراءت سننے کے بعد کہتا: ”إني أكفر بهذه“۔ اور یہی حال شامی فوجی کا تھا، جب کہ یہ اختلاف صرف طرز اداء و لہجات عربیہ کا تھا۔

حضرت حذیفہ بن الیمانؓ نے فوجیوں کے مابین اختلاف اور اختلاف کی شدت کا یہ منظر دیکھا، تو سخت بے چین ہوئے اور نبوی رازدار کی دور رس نگاہوں نے رحم مستقبل میں مستور اختلاف کے منفی نتائج کو بہت تیزی سے پڑھ لیا اور آپ کی فراست کو اس کی قباحتوں اور فساد کا اندازہ ہو گیا، چنانچہ سالار لشکر سے اجازت لے کر امیر المؤمنین حضرت عثمانؓ کے یہاں جانے کے لیے روانہ ہو گئے۔

چنانچہ ڈاکٹر عبدالصبور شاہین اپنی کتاب ”تاریخ القرآن“ میں ابن اشیر کی کامل سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت حذیفہؓ اور حضرت سعید بن العاصؓ جب آذربایجان سے مدینہ منورہ لوٹ رہے تھے، تو دوران سفر راستہ میں حضرت حذیفہؓ ابن الیمانؓ نے حضرت سعید بن العاصؓ سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا: میں نے اس سفر میں قراءت قرآن کے حوالہ سے لوگوں کو ایسے شدید اختلاف اور باہمی تکفیر و تکفیر میں پایا ہے کہ اب اگر اس کی خبر گیری نہیں ہوئی اور اس کے استدلال کے لیے کوئی ٹھوس و مضبوط لائحہ عمل طے نہیں کیا گیا، تو پھر آئندہ یہ امت

قراءت قرآن کے باب میں کبھی مجتمع و متفق نہیں ہو سکتی، جس پر حضرت سعید بن العاصؓ نے آپ سے اس کی تفصیل چاہی، تو حضرت حذیفہؓ نے فرمایا: عجیب بات ہے، اہل حمص جنہوں نے حضرت مقداد سے قراءت اخذ کی ہے، ان کا زعم ہے کہ ”قراءتہم خیر من قراءۃ غیرہم“۔ ادھر یہی دعویٰ اور خیال اہل دمشق کا بھی ہے اور وہ بھی اپنی قراءت سے متعلق کہتے ہیں کہ ”قراءتہم خیر من غیرہم“۔ جب کہ اہل کوفہ کا بھی یہی حال اور قال ہے: بل کہ وہ تو اپنے مصحف کو لباب القلوب سے موسوم کرتے ہیں۔

چنانچہ ڈاکٹر عبدالصبور تحریر فرماتے ہیں کہ جب یہ دونوں حضرات کوفہ پہنچ کر اختلاف اور اختلاف کی شدت و نزاکت کو لوگوں سے بیان کرتے ہیں اور باہمی اختلاف سے باز رہنے کی تلقین فرماتے ہوئے حضرت حذیفہؓ جب یہ کہتے ہیں کہ ہم حضرت عثمان غنیؓ کے یہاں جا کر یہ تجویز پیش کرنے والے ہیں کہ امت کو مصحف واحد پر جمع کر دیا جائے اور حکومتی سطح سے ایسے مصاحف تیار کرا کر امت مسلمہ کو اسی کا پابند کر دیا جائے، اور ان کے علاوہ مصاحف، جنہیں لوگوں نے اپنے اپنے طور پر تیار کر رکھے تھے، انہیں نیز مختلف اکابر صحابہ کے نام سے جو قرائتیں رائج ہیں، انہیں ختم کر دیا جائے، کہ یہی دونوں چیزیں امت میں موجود اختلاف کا مبنی ہے، تو کوفہ میں موجود حضرات صحابہ کرام کی بڑی تعداد نے اپنے اتفاق کا اظہار فرماتے ہوئے آپ کی رائے کا استقبال اور خیر مقدم کیا، مگر وہیں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے تلامذہ نے اس کی شدت سے تردید کی

اور فرمانے لگے: ہم اپنی قراءت - جیسے ہم نے ابن مسعودؓ سے سیکھا ہے - کیوں چھوڑ دیں اور دوسروں کی قراءت کو کیوں اپنائیں؟ چنانچہ ان میں گفتگو تیز ہو گئی اور حضرت حذیفہؓ اور ان کے موافقین نے بڑی خفگی کا اظہار فرمایا اور کہا: ”إنما أنتم أعراب، فاسکتوا، فإنكم على خطأ، وقال حذيفة: والله إن عشت لآتين أمير المؤمنين ولاشيرن عليه أن يحول بين الناس وبين ذلك، فاعلظ له ابن مسعود، فغضب سعيد، وقام وتفرق الناس وغضب حذيفة وسار إلى عثمان، فأخبره بالذي رأى.“ (ص ۱۳۸)

امیر المؤمنین کے سامنے پیش کی گئی داستان درد و غم

غرض یہ کہ سخت گرمی کے موسم میں کئی دنوں کا طویل سفر فرما کر مدینہ منورہ پہنچے اور بجائے اپنے گھر تشریف لے جانے کے، سیدھے خلیفۃ المسلمین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بڑی بے چینی سے، خوب درد بھرے لہجہ میں حضرت عثمانؓ سے معاملہ کی شدت اور حالات کی نزاکت پر بالتفصیل گفتگو فرماتے ہوئے عرض کیا: یا امیر المؤمنین ”أدرک هذه الأمة قبل أن يختلفوا في الكتاب اختلاف اليهود والنصارى.“ (بخاری، فضائل القرآن)

اور اس طرح قراءت قرآن کریم سے متعلق امت میں پائے جانے والے اختلافات کی جو صورت حال آپ کے سامنے آئی، اس کا حاصل امیر المؤمنین کے سامنے بڑے درد و کرب کے ساتھ پیش فرمایا۔

مصاحف عثمانیہ میں باہم اختلاف - ایک حقیقت

حضرت عثمانؓ کا پچاس ہزار کے مجمع سے خطاب

چوں کہ خود مدینہ منورہ اور اس کے اطراف و جوانب میں بھی اس سے قبل ایسے واقعات رونما ہو چکے تھے؛ لہذا حضرت عثمانؓ نے ملت اسلامیہ کا ایک بڑا اجتماع طلب فرمایا، جس میں - ملا علی قاریؒ کی تحریر کے بہ موجب - حاضرین کی تعداد پچاس ہزار تھی، آپ نے مجمع سے اختلاف قراءت کے موضوع پر ایک طویل خطاب میں فرمایا کہ: میں ان لوگوں کو اللہ کا واسطہ دلاتا ہوں، جنہوں نے لسان نبوت سے یہ سنا ہو کہ ”أنزل القرآن على سبعة أحرف“ وہ بہ غرض شہادت کھڑے ہو جائیں! اس پر اتنی بڑی تعداد میں لوگ کھڑے ہو گئے، جن کی گنتی مشکل تھی، اس پر آپؓ نے فرمایا: میں بھی اس بات کی گواہی دیتا ہوں، اس کے بعد آپ نے لوگوں سے سوال کیا کہ جب سب کے سب گواہی دیتے ہیں، تو اب ایک دوسرے کی قراءت کا انکار کیوں کیا جا رہا ہے؟ نیز دوران خطاب آپ نے شکایت کے انداز میں یہ بھی فرمایا: ”فقد بلغني أن بعضهم يقول قراءتي خير من قراءتك وهذا يكاد أن يكون كفرا“۔ (المہبات السنیة ج ۱، ص ۲۸۳)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ، حضرت امیر المؤمنین کے بیان سے بہ طور اقتباس یوں نقل فرماتے ہیں: ”فقال عثمان - رضي الله عنه - : تمترون في القرآن، تقولون: قراءه أبي قراءه عبد الله، ويقول الآخر: والله ما نقيم قراءتك“۔ (فتح الباری، ج ۹، ص ۱۸)

جس پر حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے آپ کی

رائے معلوم کرنی چاہی، تو آپ نے فرمایا: ”أرى أن يجمع الناس على مصحف واحد فلا تكون فرقة ولا اختلاف، قلنا: فنعم ما رأيت“. یعنی پورے مجمع نے آپ کی اس رائے سے اتفاق و اطمینان کا اظہار فرماتے ہوئے کہا: بہت مناسب اور بہتر رائے ہے۔

چنانچہ آپ نے جمع اول کے وہ صحف ابی بکرؓ - جو ام المؤمنین حضرت حفصہؓ کے پاس تھے - اولاً انہیں منگوا یا، پھر حضرت عثمان غنیؓ نے بڑے غور و خوض اور کبار صحابہ سے مشورہ کے بعد ایک باڈی یا مجلس تشکیل دی، جس کے متعلق ابن ابی داؤد رحمہ اللہ ”کتاب المصاحف“ میں کئی طرق سے نقل فرماتے ہیں کہ آپؐ نے مہاجرین و انصار صحابہ سے بارہ افراد کا انتخاب فرمایا اور - بہ قول جمہور - ان بارہ میں سے پھر چار کا انتخاب فرمایا، جن میں ایک انصاری اور تین قریشی تھے، یعنی حضرت زید بن ثابتؓ انصاری تھے، جب کہ (۱) حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، (۲) حضرت سعید بن العاص اور (۳) حضرت عبدالرحمن بن الحارث؛ یہ تینوں قریشی تھے۔

مملی، کاتب اور مشرف کا انتخاب

پھر ان سے متعلق بھی حضرت عثمانؓ نے لوگوں سے دریافت فرمایا ”من أكتب الناس؟“ تو لوگوں نے کہا: ”کاتب رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - زید بن ثابت“، اس پر مزید آپ نے پوچھا: ”فأی الناس أعرب؟“ - وفی روایة - أفصح؟ قالوا: سعید بن العاص۔ (فتح الباری: ۱۹/۸۹، جمع القرآن الکریم فی عهد خلفاء الراشدین)

مصحف عثمانیہ میں باہم اختلاف - ایک حقیقت

یہ حضرت سعید بن العاصؓ، اشراف قریش میں سے تھے اور آپ کے باب میں کہا جاتا تھا کہ ”إن عربیة القرآن أقیمت علی لسان سعید بن العاص - رضی اللہ عنہ - لأنه كان أشبههم لهجة برسول الله - صلی اللہ علیہ وسلم - . (فتح الباری)

یعنی آپ کے انداز میں عربیت و فصاحت کا کمال تھا، جس کی وجہ سے آپ فصاحت و لہجہ عربی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت مشابہ تھے، اسی وصف امتیازی کے پیش نظر حضرت عثمانؓ نے حکم فرمایا اور اعلان کر دیا: ”فلیمل سعید ولیکتب زید“ یعنی حضرت سعید بن العاصؓ اپنی فصیح تلاوت و قراءت کے ذریعہ قرآن کریم کا املا کرائیں گے اور حضرت زیدؓ کتابت فرمائیں گے۔

گویا جمع اول کی طرح جمع ثانی میں بھی قرآن کریم کی رسم و کتابت حضرت زید ہی کے حوالہ کی گئی اور بہ طور مشرف و نگران حضرت حذیفہ بن الیمانؓ کو طے کیا گیا اور بحیثیت مشرف آپ کا انتخاب یوں بھی بہت موزوں تھا کہ آپ حضرات صحابہ کرامؓ میں امتیازی حیثیت کے حامل تھے، متعدد غزوات میں آپ نے شرکت فرمائی تھی، نیز سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے معتمد تھے، چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس نے آپ کو بہت سے اسرار و راز سے آگاہ فرمایا تھا، جیسا کہ حضرت حذیفہؓ خود فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ”ماکان وما یکون“ حتی کہ قیامت کے متعلق بہت سے امور کی اطلاع فرمائی ہے، یہی وجہ تھی کہ حضرات صحابہ کرامؓ میں آپ صاحب رائے اور صاحب راز تھے۔

شکوہ ابن مسعودؓ

اس بات کی اطلاع جب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو (جو کوفہ میں قیام پذیر تھے) ہوئی، تو انہیں یہ شکایت ہوئی کہ جمع قرآنی کے باب میں انہیں نظر انداز کیا گیا اور جمع قرآنی کے لیے تشکیل دی گئی مجلس یا باڈی میں انہیں شریک نہیں کیا گیا، چنانچہ اس خفگی و شکایت کا اظہار آپ نے یوں فرمایا ”یا معشر المسلمین! أعزل عن نسخ كتابة المصاحف ويتولاها رجل والله لقد أسلمت وإنه في صلب كافر“۔ (رواہ الترمذی، فتح الباری ج ۹، ص ۱۹۱)

جب کہ حافظ ابن حجرؒ نے یہ عبارتِ شکایت بھی نقل فرمائی ہے: ”يقول ابن مسعود- رضي الله عنه- : لقد أخذت من في رسول الله- صلى الله عليه وسلم- سبعين سورة، وإن زيد بن ثابت لصبي من الصبيان“۔ (ج ۹، ص ۱۹۱)

پھر چوں کہ جمع قرآنی ایک عظیم کارنامہ اور تقرب الی اللہ کا بڑا ہی قوی و وثیق ذریعہ تھا اور کسی کے لیے بھی اس میں شرکت، سعادتِ عظمیٰ کہلاتی ہے؛ لہذا ابن مسعودؓ کے ضمیر پر اس کا بڑا اثر یوں تھا کہ کتاب اللہ کی اس عظیم خدمت کے اجرِ عظیم سے مجھ مستحق کو دور رکھا گیا؛ چنانچہ آپ کے ایک شاگرد شقیق بن سلمہ کہتے ہیں: ہمیں اس موقع پر حضرت ابن مسعودؓ نے خطاب فرماتے ہوئے فرمایا ”لقد أخذت من في رسول الله- صلى الله عليه وسلم- بضعا وسبعين سورة، و

زيد بن ثابت غلام له ذؤابتان يلعب مع الغلمان. (إعلام المسلمین، ص: ۱۱۹)

اعلام المسلمین میں حضرت ابن مسعودؓ کے تاثر و تبصرہ سے ایک جزئیہ بھی

نقل کیا گیا ہے: وقد قرأت من في رسول الله - صلى الله عليه وسلم - بضعا وسبعين سورة، وإن زيد بن ثابت ليأتي مع الغلمان، له ذؤابتان والله ما أنزل من القرآن شيئا إلا وأنا أعلم في أي شيء أنزل، وما أحد أعلم بكتاب الله مني وما أنا بخيركم“ . (اعلام المسلمین، ابن مسعود، ص ۱۲۰)

البتہ مذکور الصدر تبصروں سے متعلق امام ترمذی حضرت ابن شہاب سے نقل فرماتے ہیں: قال: فبلغني أن ذلك كرهه من مقالة ابن مسعود رجال من أفاضل أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم.

غرض یہ کہ جمع قرآنی کی باڈی میں آپ کی عدم شمولیت، آپ کے لیے بڑا ہی حیران کن امر تھا۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو یہ حیرانی اس لیے بھی ہو رہی تھی کہ آپ کو ایک طویل عرصہ خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں رہنے اور صحبت بابرکت میں رہ کر حفظ قرآن کریم و فہم معانی کا خوب موقع ملا تھا اور اسی کی برکت تھی کہ الفاظ و معانی قرآن میں آپ کی حیثیت امتیازی تھی؛ اسی لیے تو سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی قراءت کی عمدگی کے تحت آپ سے متعلق فرمایا تھا: ”من أحب أن يقرأ القرآن غضا كما أنزل فليقرأه على قراءة ابن أم عبد“.

نیز آپ نے امت کو جن چار شخصیات سے قرآن کریم سیکھنے کی تلقین فرمائی، ان میں سرفہرست ابن مسعودؓ کا نام تھا؛ لیکن ان خصوصیات کے باوجود جمع قرآنی کی باڈی یا مجلس میں آپ کو شریک نہ کیا گیا، یہ آپ کے لیے موجب قلق اور باعث افسوس امر تھا۔

حضرت عثمان غنیؓ کی طرف سے اعذار و وجوہ اعذار

لیکن اولاً تو حضرت ابن مسعودؓ کا شکوہ اور حضرت عثمان غنیؓ کا جمع قرآن سے متعلق مذکور الصدر اقدام دونوں مبنی برا جہاد تھے، نیز حضرت عثمان غنیؓ کے یہاں بھی کارنامہ جمع قرآنی میں حضرت ابن مسعودؓ کو شریک نہ کرنے اور حضرت زید بن ثابتؓ اور ان کے معاونین کے حوالہ کر دینے سے متعلق درج ذیل چند قابل قبول اعذار اور معقول وجوہ تھیں، جن کے تحت حضرت عثمان غنیؓ نے کارنامہ جمع کی ذمہ داری حضرت زیدؓ کے سپرد فرمائی اور حضرت ابن مسعودؓ کو شریک نہیں فرما سکے:

(۱) چوں کہ قراءات کے حوالہ سے امت میں اختلاف اس قدر شدت اختیار کر گیا تھا کہ صرف ”قراءة فلان وقراءة فلان“ یا ”قراءتی خیر من قراءتک“ ہی تک محدود نہ تھا، بلکہ بعض غیر ثقہ یا جنہیں تعلیم و تربیت کا زیادہ موقع فراہم نہیں ہو پایا تھا، ایسے سادہ لوح یا عقیدت و اعتماد کے پختہ لوگ، جب باہم ایک دوسرے سے قراءات سنتے اور ان کا تلفظ اپنے سے الگ پاتے، تو ایک دوسرے کی قراءات کا انکار کرتے اور بعض وہ بندے، جنہیں حدود کا خیال نہ ہوتا، وہ اختلاف قراءات کی وجہ سے ایک دوسرے کی تکفیر بھی کر جاتے۔

نیز یہ اختلاف صرف عوام کی حد تک نہ تھا؛ بل کہ عوام و خواص سبھی اختلاف و انکار اور تکفیر میں مبتلا تھے اور حضرت حذیفہ بن الیمانؓ نے چوں کہ خلیفۃ المسلمین سے امت کے اس اختلاف اور اختلاف کی شدت کو بڑی کڑھن

وگھٹن اور اضطراب کے ساتھ بالتفصیل پیش فرمایا تھا اور دوران گفتگو بسلسلہ قراءت، پردہ مستقبل میں مستور یا پردہ غیب میں مستور سنگین خطرات سے بھی آگاہ فرمایا تھا، نیز خود خلیفۃ المسلمین کے سامنے بھی اس سے قبل ایسے واقعات رونما ہو چکے تھے اور اس طرح کی شکایتیں پہنچ چکی تھیں؛ لہذا خلیفۃ المسلمین ہونے کے ناطے اور احساس مسئولیت کے پیش نظر اب آپ کو اس باب میں کوئی تاخیر و تاامل منظور نہیں تھا اور فوری طور پر آپ کوئی مضبوط قدم اٹھا کر امت کو اختلاف سے بچانا چاہ رہے تھے، نیز قرآن کریم چوں کہ اسلام کی اصل و بنیاد اور قوم مسلم کا کل مذہبی اثاثہ اور شریعت کا بنیادی ماخذ و سرچشمہ تھا، لہذا وہ اسے کمزور کرنے والے کسی بھی خطرہ کو مول لینا نہیں چاہتے تھے اور بڑی تعداد میں حضرات صحابہ کرام بھی امت کو قراءت کے باب میں مجتمع کرنے اور اس کے لیے از سر نو قرآن کریم جمع کرنے اور لکھوانے پر اتفاق کر چکے تھے، جو کہ جمع کے اس اقدام اور اس کے شرح صدر پر ایک مضبوط عامل و قوی محرک تھا۔ غرض یہ کہ آپ حالات کی نزاکت کے تحت اس باب میں کسی طرح کی کوئی تاخیر نہیں چاہتے تھے، اور جلد از جلد اس کام کو انجام دینا چاہ رہے تھے۔

ادھر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ چوں کہ کوفہ کے بیت المال کے والی اور ذمہ دار تھے اور مالیات کی ذمہ داری بڑی اہم و نازک ذمہ داری تھی، نیز حلقہ درس بھی بڑا وسیع تھا اور بڑی تعداد میں اہل کوفہ آپ سے مختلف علوم میں کسب فیض کر رہے تھے، چنانچہ حضرت مولانا عبداللطیف رحمانی اپنی کتاب تاریخ القرآن میں اسرار الانوار کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں: ”کوفہ میں ابن مسعودؓ

کے حلقہ درس میں ایک وقت میں چار ہزار طلباء شریک ہوتے، بلکہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ جب کوفہ تشریف لے گئے، تو ابن مسعودؓ مع اپنے شاگردوں کی جماعت کے استقبال کے لیے باہر نکلے، تو کوفہ کا تمام میدان بھر گیا اور جہاں تک نظر کام کرتی تھی، طلباء ہی نظر آتے تھے، جس پر عمر فاروقؓ نے فرمایا: ابن مسعودؓ نے کوفہ کو علم سے لبریز کر دیا۔ (ص ۱۳۶) نیز بڑی تعداد میں لوگ اپنے اپنے مسائل میں آپ کی طرف رجوع بھی فرماتے تھے؛ لہذا ان سب کو یک لخت سمیٹ کر فوری طور پر مدینہ منورہ پہنچ جانا، آپ کے لیے بھی آسان نہ تھا۔

(۲) سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں قرآن کریم کے اکثر حصہ کی کتابت حضرت زیدؓ ہی نے کی تھی اور رئیس الکاتبین آپ ہی تھے؛ لہذا رسم و کتابت کے باب میں آپ سب پر مقدم تھے۔

(۳) چوں کہ حضرت عثمانؓ صحف ابی بکر کو مصحف واحد کے انداز میں یعنی سب کا ایک ہی مجموعی مصحف بنا دینا چاہتے تھے اور دو صدیقی میں ان صحف کو حضرت زیدؓ ہی نے تیار فرمایا تھا؛ لہذا اس باب میں جو تجربہ حضرت زیدؓ کو تھا، اور کسی کو نہ تھا۔

(۴) پھر چوں کہ جمع اول میں شیخینؓ نے حضرت زیدؓ ہی پر اعتماد فرمایا تھا، تو جمع ثانی میں حضرت عثمان غنیؓ نے بھی شیخین کی اتباع میں حضرت زیدؓ کا انتخاب فرمایا اور شیخین کے انتخاب کو بحال رکھا؛ بل کہ اسے یوں کہنا مناسب ہوگا کہ حضرت زیدؓ کا انتخاب تو دراصل فراست نبویؐ کی دین و عنایت ہے کہ بعد میں چل کر امت کو اختلاف قراءات کے عنوان سے پیش آنے والی پریشانی

اور مشکلات کے پیشگی حل کے طور پر آپ ﷺ نے حضرت زیدؓ کی تربیت فرمائی اور اس ضرورت کے لیے حضرت زیدؓ کو عرضہٴ اخیرہ سے واقف فرمائے؛ لہذا کتابت مصحف و جمع قرآنی کی خدمت کے لیے حضرت زیدؓ کا انتخاب تو حضرت عثمانؓ سے کہیں پہلے خود حضور ﷺ فرما چکے تھے۔

(۵) پھر حضرت زیدؓ کی ایک بڑی خصوصیت یہ تھی کہ حضور ﷺ نے عرضہٴ اخیرہ کی تفصیلی اطلاع حضرت زیدؓ ہی کو دی تھی اور صرف آپ ہی کو عرضہٴ اخیرہ سے بالتفصیل واقف کرایا تھا اور بتلایا تھا کہ اب قرآن کریم سے کون سی آیات منسوخ ہو گئی ہیں اور کون سی باقی ہیں، نیز اس کیفیتِ عرضہٴ اخیرہ کے مطابق حضرت زیدؓ نے قرآن کریم آپ کو سنایا بھی تھا، اور اسی کے مطابق لوگوں کو عمر بھر قرآن کریم پڑھاتے رہے، یہ وہ خصوصیت تھی جو صرف حضرت زیدؓ کو حاصل تھی؛ لہذا کہنا چاہیے کہ صرف حضرت عثمانؓ ہی نے نہیں بلکہ سب سے پہلے بارگاہ نبوت ہی نے حضرت زیدؓ کا انتخاب فرمایا تھا۔

لہذا حضور اکرم ﷺ سے حضرت ابن مسعودؓ کے ستر سورتیں یاد کرنے کے وقت، حضرت زیدؓ کا صلب کافر میں ہونا، حضرت زیدؓ کے انتخاب کے لیے کوئی وجہ ممانعت بھی نہیں تھی۔

(۶) نیز جہاں تک مسئلہ حضور ﷺ سے بالمشافہہ حفظ قرآن کریم کا ہے، تو ابن مسعودؓ نے آپ سے ستر سورتیں حفظ فرمائیں اور باقی سورتیں دیگر صحابہ کرام سے یاد کی تھیں، چنانچہ آپ نے خود فرمایا: وأخذت بقية القرآن عن أصحابه، وكان إذا سئل عن سورة لم يكن أخذها عن رسول الله - صلى الله

عليه وسلم - صرح بذلك وأرشد إلى من أخذها بالمشافهة. (تج القرآن الكريم في عهد الخلفاء الراشدين ص ۶۱)

جب کہ حضرت زید بن ثابتؓ نے مکمل قرآن کریم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یاد کیا تھا، بایں وجہ جمع قرآنی کے حوالہ سے حضرت عثمانؓ نے حضرت زیدؓ کو زیادہ معتبر گردانتے ہوئے آپ ہی کا انتخاب فرمایا۔

(۷) پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ کرامؓ کو قرآن کریم سیکھنے اور حاصل کرنے کے باب میں ابن مسعودؓ کا جو حوالہ دیا، اور آپ کی طرف رجوع کرنے کو جو فرمایا، وہ اس لیے تھا کہ ابن مسعودؓ قراءات واداء کے امام تھے اور تلفظ و قراءت میں آپ کے معتمد تھے، جب کہ رسم و کتابت میں حضرت زیدؓ آپ کے معتمد تھے اور حضرت عثمانؓ نے حضرت زیدؓ کا انتخاب رسم و کتابت کے لیے کیا تھا، نہ کہ قراءت واداء کے لیے۔

سوال: رہا یہ مسئلہ کہ رسم و املاء کے لیے کسی ماہر مملی کی بھی تو ضرورت تھی، جو اعلیٰ تلفظ سے قرآن کریم کی تلاوت کرے اور حضرت زیدؓ کتابت فرمائیں، تو بحیثیت مملی بھی ابن مسعودؓ کا انتخاب نہ ہوا۔

جواب: چوں کہ خود مدینہ منورہ میں حضرت سعید بن العاصؓ موجود تھے، جن کے باب میں مشہور ہے کہ وہ ”أشبه الناس لهجة برسول الله“ یعنی حضرات صحابہ کرامؓ میں سعید بن العاصؓ کو یہ خصوصیت حاصل تھی کہ آپ کا لب و لہجہ، انداز تلاوت لہجہ نبوی سے بہت مشابہت رکھتا تھا۔ اب ظاہر ہے کہ

تلاوت میں اس قدر مشابہت کا حامل فرد مہملی ہونے کا جتنا مستحق ہو سکتا ہے، دوسرے نہیں ہو سکتے؛ لہذا مہملی کی ضرورت بھی مدینہ منورہ میں موجود حضرت سعید بن العاصؓ سے پوری ہو رہی تھی؛ اس لیے حضرت عثمان غنیؓ نے مہملی کی حیثیت سے بھی حضرت سعیدؓ کا انتخاب فرمایا۔

(۸) نیز ایک وجہ یہ بھی تھی کہ حضرت عثمان غنیؓ نے امت سے اختلاف ختم کرنے کے لیے قرآن کریم کو از سر نو جمع کرنے، لکھوانے اور بلاد اسلامیہ میں سرکاری سطح سے ایک ماہر قاری کے ساتھ بھیجنے کا اور ان کے ماسوا تمام مصاحف کے جلا دینے کا فیصلہ فرمایا، تو سارے صحابہ کرام نے اس پر اتفاق فرماتے ہوئے استقبال فرمایا، جو موجب اطمینان اور فیصلہ کی صحت کے لیے مضبوط دلیل تھی کہ فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے: ”لا تجتمع امتی علی ضلالة“۔ لہذا اجماع و اتفاق صحابہ کے بعد اب یہ فیصلہ قابل اطمینان و واجب الاتباع تھا۔

(۹) نیز دوسری طرف - جیسا کہ ما قبل میں گذرا - حضرت ابن مسعودؓ اور آپ کے تابعین بلاد اسلامیہ کے ہر شہر کو قراءت واحدہ پر جمع کر دینے اور سرکاری طور پر دیگر قراءت کو ختم کر دینے کی رائے سے بالکل اتفاق نہیں رکھتے تھے اور اپنے مصحف اور اپنی قراءت کو ترک کرنے پر کسی طرح راضی نہیں تھے۔

چنانچہ حضرت عثمانؓ اور دیگر حضرات صحابہ کرامؓ کے مذکور الصدر فیصلے پر اتفاق کے بعد ایک مرتبہ حضرت ابن مسعودؓ نے کوفہ کی مسجد کے منبر سے اپنے خطاب کے دوران فرمایا: اے لوگو! میں مصحف کو چھپا دینے والا ہوں، تم میں سے

جس سے بن پڑے، وہ بھی اپنے مصحف کو چھپا دے، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جو قراءت ہم نے حضور ﷺ سے سیکھی ہے، اسے ہم ترک کر دیں؟ بلکہ ایک روایت یہ بھی ہے کہ ابن مسعودؓ نے اس کے بعد یہ آیت بھی تلاوت فرمائی: وَمَنْ يَتَعَلَّلْ يَأْتِ بِمِثَالِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ“ پھر آپ نے فرمایا: ”والله لقد علم أصحاب رسول الله أني من أعلمهم بكتاب الله“۔ (خلاصۃ البیان فی تالیف القرآن ص ۱۴۱، بروایت ابی قلابہ ☆ فتح الباری ج ۹، ص ۲۸)

(۱۰) پھر ایک وجہ یہ بھی تھی کہ مصحف ابن مسعودؓ میں سورتوں کی ترتیب بھی عام ترتیب سے کچھ الگ تھی، چنانچہ مصحف ابن مسعودؓ میں فاتحہ، بقرہ، نساء، اور اس کے بعد آل عمران تھی اور عام ترتیب میں نساء سے پہلے آل عمران تھی، تو سورتوں کی ترتیب میں بھی اختلاف تھا۔

(۱۱) مصحف ابن مسعودؓ و دیگر مصاحف میں باعتبار قراءت بھی اختلاف تھا، چنانچہ کچھ مواقع میں حضرت ابن مسعودؓ کی قراءت، عام قراءت یعنی قراءت متواترہ سے مختلف تھی، جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں ایسے مواقع کی نشان دہی فرمائی ہے مثلاً: ”اهذا الذي بعث الله رسولا“ کو حضرت ابن مسعودؓ ”اهذا الذي اختاره الله من بيننا“ پڑھتے تھے۔ (۲) أرأيت من اتخذ إلهه هواة“ کو ابن مسعودؓ إلهة هواة پڑھتے۔ (۳) اسی طرح يلقى اثاما ابن مسعودؓ کے یہاں يلقى (بالالف) مقروء تھا۔ (۴) اور ”كالعهن المنفوش“ مصحف ابن مسعودؓ میں ”كالصوف المنفوش“ مکتوب تھا، وغیرہ، حضرت ابن

مسعودؓ کی یہ وہ قرائتیں ہیں، جو عام قرائتوں سے ہٹ کر تھیں۔

(۱۲) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ لغت ہذیل میں قراءت فرماتے تھے؛ جب کہ حضرت عثمانؓ اختلاف قراءت کے مواقع میں لغت قریش پر قرآن کریم لکھوانا چاہ رہے تھے اور ظاہر ہے کہ لہجہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم یعنی لغت قریش لغت ہذیل سے اولیٰ ہی ہوتا ہے۔

(۱۳) نیز ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ابن مسعودؓ "حتیٰ حین" کے بدلے بقراءة شاذہ "عتیٰ حین" پڑھتے تھے، یوں کچھ مواقع میں آپ کی قراءت، متواتر قراءت سے الگ تھی۔

(۱۴) مصحف ابن مسعودؓ میں سورۃ براءت کے شروع میں بسملہ لکھی ہوئی تھی، جو عام مصاحف میں نہیں تھی؛ لہذا ان سب کے بعد اس کا قوی امکان تھا کہ امت سے اختلاف کو ختم کرنے کے نیک مقصد سے، حضرات صحابہ کرام کے مابین ہونے والا اتفاق و اجماع حضرت ابن مسعودؓ کی حاضری سے متاثر ہوتا۔

یہ وہ متعدد وجوہ و مصالح تھیں، جن کی وجہ سے جمع قرآنی کی باڈی [Body]، اور مجلس میں حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کو شریک نہیں کیا گیا۔

نیز ابو بکر ابن انباریؒ فرماتے ہیں حضرت زیدؓ کو یہ ذمہ داری اس لیے بھی سپرد کی تھی کہ آپ "أحفظ للقرآن من ابن مسعود" یعنی ابن مسعود کی بہ نسبت احفظ للقرآن تھے کہ آپ نے حیات نبوی علی صاحبہا الصلاة والسلام میں مکمل قرآن پاک حفظ کر لیا تھا۔

نوٹ: اس جگہ یہ یاد رہے کہ اس فضیلت سے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کا مقام کم نہیں ہوتا؛ کیوں کہ یہ جزوی فضیلت ہے، یہ فضیلت تو حضرت زیدؓ کو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر بھی تھی، مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ حضرت زیدؓ حضرات شیخینؓ سے بڑھ کر تھے؛ بل کہ اس جزوی فضیلت کی وجہ سے برتری تو کجا؟ مساوات بھی مقصود نہیں۔

ابن مسعودؓ کی یہ خفگی وقتی تھی

پھر ابن مسعودؓ کا حضرت زیدؓ کے باب میں یہ تبصرہ دراصل وقتی خفگی کا نتیجہ تھا، چنانچہ خفگی ختم ہو جانے پر آپ حضرت عثمانؓ و حضرت زیدؓ وغیرہم سے خوب اچھے اخلاق سے پیش بھی آئے۔ (قرطبی ج ۱، ص ۵۳)

بل کہ علامہ ذہبیؒ "سیر أعلام النبلاء میں فرماتے ہیں: وقد ورد أن ابن مسعود - رضي الله عنه - تابع عثمان والله الحمد. (سیر أعلام النبلاء ج ۱، ص ۴۸۸)

اور مفسر ابن کثیرؒ فرماتے ہیں: وإنما روي عن ابن مسعود - رضي الله عنه - شيء من الغضب بسبب أنه لم يكن ممن كتب المصاحف... إلى أن قال: ... ثم رجع ابن مسعود إلى الوفاق. (فضائل القرآن، ص ۲۰)

فإن المصحف لما قدم عليهم فرح به أصحاب النبي - صلى الله عليه وسلم -، وإن أصحاب عبد الله ومن وافقهم امتنعوا من ذلك وعابوا الناس، فقام فيهم ابن مسعود، وقال: ولا كل ذلك؟! فإنكم والله قد سبقتم سبقاً بيناً، فأربعوا على ظلعكم."



ارسال فرمایا اور اس کے ماسوا کو جلا دینے کا حکم دیا اور یہ بھی حکم فرمایا کہ لوگ اسی پر اعتماد کریں اور اس کے علاوہ کو چھوڑ دیں، تو کوفیوں کی ایک تعداد کے علاوہ سارے لوگوں نے اس کام کی فضیلت و حکمت کا اعتراف کیا، چنانچہ جب مصحف کوفہ پہنچا، تو وہاں موجود حضرات صحابہ کرام نے تو اس سے اتفاق فرمایا؛ لیکن تلامذہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور ان کے ہم خیال لوگ اس سے باز رہے؛ بل کہ انہوں نے لوگوں پر تنقید کی، تو حضرت ابن مسعودؓ ان کے درمیان کھڑے ہو گئے اور فرمایا: ”ولا کل ذلك“ اور اتنا سب بھی نہیں چاہیے؛ اس لیے کہ قسم بہ خدا! تمہیں نمایاں سبقت حاصل ہے؛ اس لیے اس طرح کی باتوں سے باز رہو اور جس کی طاقت نہیں رکھتے، اس سے رک جاؤ۔

اور ابن کثیرؒ نے اسے یہ کہہ کر مؤید فرمایا ہے کہ پھر عبداللہ ابن مسعودؓ نے اپنی رائے سے رجوع فرماتے ہوئے جمع عثمانی سے اتفاق فرمایا۔

بہر حال قراءت متواترہ منزلہ (جنہیں عرضہ اخیرہ میں باقی رکھا گیا تھا) کی تقریری و تحریری حفاظت، نیز ان کے ماسوا قراءات کے انسداد اور قراءات مختلفہ کے حوالہ سے امت میں پائے جانے والے اختلاف کو ختم کر دینے کے نیک ارادے و عظیم مقاصد سے جمع ثانی عمل میں آئی، اور جمع ثانی کی یہ تاریخی عظیم خدمت، تین قریشی اور ایک انصاری یوں چار صحابہ کرامؓ کے ذمہ کی گئی۔

چنانچہ قربان جائیے حضرات صحابہ کرام کی فہم و فراست اور علمی گہرائی و گیرائی پر کہ، مذکورہ مقاصد عظمیٰ کے پیش نظر اس دوسری بار میں مصحف کی رسم

واملاء میں مندرجہ ذیل ایسے اسالیب عجیبہ اختیار فرمائے، جن سے یہ مقاصد بکمالہ حاصل ہو سکیں۔

اسالیب عجیبہ

(۱) جملہ مصاحف کو اعراب و نقطوں سے عاری و خالی رکھا، تاکہ کوئی ایک وجہ متعین ہو کر دوسری قراءتوں کا باب بند نہ ہو جائے، مثلاً، کلمہ "فَنَعْبَأُ" اعراب و نقطوں کے نہ ہونے پر تو کئی طرح مقروء ہوتا ہے، جیسے: فَنَعْبَأُ، فَنِعْبَأُ، فَنِعْبَأُ وغیرہ، لیکن اعراب لگ جانے پر ایک وجہ متعین و خاص ہو کر دوسری وجوہ کا جواز و احتمال ختم ہو جاتا ہے، اسی طرح "تَعْلَمُونَ، يَعْلَمُونَ" دو قراءتیں ہیں، مگر نقطہ لگنے کے بعد ایک ہی باقی رہ جائے گی اور دوسری ختم ہو جائے گی۔

(۲) قرآن کریم کے وہ کلمات، جن میں قراءۃ کوئی اختلاف نہیں، بل کہ وہ تمام قراءتوں میں ایک ہی انداز سے مقروء ہوتے ہیں، مثلاً: اِيَاكَ نَعْبُدُ وَاِيَاكَ نَسْتَعِينُ، الدِّينِ وَغَيْرِهِ، تو ایسے کلمات کو تمام مصاحف میں ایک ہی انداز پر لکھا۔

(۳) ایسے کلمات، جن میں قراءات کا اختلاف ہے، یعنی ان میں ایک سے زائد قراءتیں ہیں، مگر اعراب و نقطوں کے نہ ہونے کی وجہ سے وہ سب ایک ہی انداز رسم میں سما سکتی ہوں، تو ایسے کلمات کو بھی تمام مصاحف میں ایک ہی انداز و صورت میں لکھا گیا، مثلاً: فَتَثْبِتُوا، فَتَبَيَّنُوا، نُنشِرْهَا، نُنشِرْهَا وَغَيْرِهِ۔

(۴) اسی طرح وہ کلمات، جن میں ہیں تو دو قراءتیں، مگر وہ ایک ہی انداز رسم

واملاء میں سما جاتی ہیں، مثلاً کلمہ "ملك" سے الف کو کتابتاً حذف کر دیا جاتا ہے، چنانچہ "مالك يوم الدين" اور "ملك يوم الدين" دو قراءتیں ہیں، مگر بہ غرض شمول، الف کو رسماً حذف کر دیا، تو اب اسے ظاہر رسم کے مطابق حذف الف سے "ملك" تو پڑھیں گے ہی، مگر "مالك" بھی پڑھ سکتے ہیں، بایں توجیہ کہ الف کو ظاہراً نہیں ہے، مگر تقدیراً موجود ہے؛ کیوں کہ ارباب رسم حضرات صحابہ کرامؓ بہت سے کلمات کے الفات کو بہ غرض تخفیف حذف کرتے ہیں، مثلاً: العلبین، الرحمن، اللہ وغیرہ کا کھڑا زبر کہ یہ رسم عثمانی میں نہیں تھا، مگر اصول یہ ہے کہ تخفیفاً حذف کیے گئے الفات کو ظاہر میں موجود نہیں ہوتے، مگر ان کو تقدیراً موجود خیال کر کے قراءتاً ثابت رکھا جاتا ہے، تو بالکل اسی طرح جن الفات کو شمول قراءت کی وجہ سے ارباب رسم حذف کر دیتے ہیں، تو انہیں بھی تقدیراً موجود خیال کیا جاتا ہے۔

(۵) باقی ایسے کلمات، جن میں ایک سے زائد وجوہ و قراءتیں ہوں اور ساری وجوہ ایک انداز رسم میں سمانہ سکتی ہوں، یعنی ایک ہی انداز کا املا دونوں کا متحمل نہ ہو اور اس کلمہ کا رسم سارے مصاحف میں ایک ہی انداز سے ممکن ہی نہ ہو، مثلاً: "ووصی بہا، وأوصی بہا، منها منقلبا، منها منقلبا، تجری من تحتها، تجری تحتها، قالوا اتخذ الله، وقالوا اتخذ الله، فلا يخاف ولا يخاف" اب ظاہر ہے کہ کسی ایک انداز رسم و املاء میں دونوں قراءتوں کا سمانا ممکن ہی نہیں، لہذا ایسے سارے مواقع میں مصاحف کے رسم میں اختلاف ناگزیر تھا اور جو شکل احوط و آسان تھی وہ یہی تھی کہ کسی مصحف میں ایک قراءت کے مطابق کلمہ کو لکھا جائے، تو دوسرے میں دوسری قراءت کے مطابق، جس کے لیے یہ طریقہ اپنایا

گیا کہ بلاد اسلامیہ میں سے جس ملک و بلد میں جو قراءت رائج تھی اور وہاں کے لوگوں نے (مختلف قراءت میں سے) جس قراءت کو اختیار کیا تھا، اس ملک کے لیے تیار کیے جانے والے مصحف میں کلمہ مختلف فیہا کو اسی انداز میں لکھا گیا، جب کہ دوسرے ملک میں دوسری قراءت رائج تھی؛ لہذا وہاں کے مصحف میں کلمہ کو ان کی قراءت کے مطابق لکھا گیا، چنانچہ ”رسم المصحف و ضبطہ بین التوقیف و الاصطلاحات الحدیثۃ“ میں ہے: وهذا النوع کتب فی کل مصحف علی حسب ما یقرء اهل القطر الذی سیر سل إلیہ المصحف، وبذلك تكون المصاحف فی مجموعها مشتملة علی ما صح نقله ولم تستنسخ تلاوته؛ لأن کل مصحف کان مشتملا علی جمیع هذه الأحرف. (ص ۳۵)

(۶) پھر ان مصاحف کو سرکاری و حکومتی سطح سے بلاد اسلامیہ میں روانہ فرمایا۔

(۷) اور ہر مصحف کے ساتھ ایک ماہر قاری کو بھی بھیجا گیا، مثلاً مدینہ منورہ کے لیے حضرت زید بن ثابتؓ، مکہ مکرمہ کے لیے حضرت عبداللہ بن السائب الجزومیؓ، شام کے لیے حضرت مغیرہ بن ابی شہاب، مصحف کوفی کے ساتھ ابو عبد الرحمن سلمیٰ کو، اور مصحف بصری کے ساتھ عامر بن عبد قیس کو روانہ فرمایا۔ (تاریخ القراءات القرانیہ ص ۲۲)

(۸) سرکاری طور پر یہ فرمان جاری کیا کہ جس ملک میں جو مصحف و قاری بھیجا گیا ہے، اس ملک کے سارے لوگ قراءت کے باب میں انہیں کا اتباع کریں گے اور کوئی بھی شخص سرکاری مصحف و قاری کی قراءت کے علاوہ قراءت کو اختیار نہیں کرے گا۔

(۹) ملک کے سارے لوگ اسی مصحف کے مطابق اپنے اپنے مصاحف تیار کریں گے، جس کسی کے پاس اس کے غیر مطابق مصحف ہو، اسے جلا دیا جائے، تاکہ پورے ملک میں ایک ہی قراءت پڑھی پڑھائی جائے اور لوگوں میں قراءت سے متعلق کوئی اختلاف باقی نہ رہنے پائے۔

عمل احراق اور اس کا استقبال

چنانچہ اعلام المسلمین میں بخاری سے نقل کیا گیا ہے: فأرسل إلى كل أفق بمصحف مما نسخوا وأمر بما سواه من القرآن في كل صحيفة أو مصحف أن يحرق.

نیز اعلام المسلمین میں فتح الباری سے یہ بھی نقل کیا ہے:

وفي رواية أبي قلابة فلما فرغ عثمان من المصحف كتب إلى أهل الأمصار إنني قد صنعت كذا وكذا ومحوت ما عندي فامحوا ما عندكم، والمحو أعم من أن يكون بالغسل أو التحريق، وأكثر الروايات صريح في التحريق، فهو الذي وقع ويحتمل وقوع كل منهما بحسب ما رأى من كان بيده شيء من ذلك، وقد جزم عياض بأنهم غسلوها بالماء، ثم أحرقوها مبالغة في إذهابها. (ص ۱۱۷)

ولقد رضي المسلمون - الصحابة فمن بعدهم - فعل عثمان هذا وامتدحوه؛ لما كان فيه من حفظ كتاب الله، وحماية المسلمين من نائفة الخلاف، فعن سويد بن غفلة - رحمه الله - : قال علي - رضي الله عنه - : حين

مصحف عثمانیہ میں باہم اختلاف - ایک حقیقت

حرق عثمان المصحف لو لم يصنعه هو لصنعته. (اعلام السليين ص ۱۱۸)

چوں کہ احراق کا یہ عمل امت کے معتمد نباضوں کا تجویز کردہ نسخہ و علاج تھا اور ہزاروں صحابہ کرامؓ کے اتفاق سے اسے تجویز کیا گیا تھا، جو کہ اس کے صحیح و یقینی بر خیر ہونے کی دلیل ہے کہ امت کا ضلالت پر مجتمع ہونا ممکن ہی نہیں، نیز انسداد اختلاف کی اہم ترین ضرورت کے عین مطابق تھا؛ لہذا امت نے عمل احراق کو درست و حق قرار دیا اور اس سے اپنی موافقت کا اظہار فرماتے ہوئے قبول کیا، جیسا کہ الجمع الصوتی میں ہے:

ولم يحرق (أبي عثمان) ما لم يجب إحراقه ولهذا لم ينكر عليه أحد

ذلك بل رضوه وعدوه من مناقبه. (ص ۵۵)

چنانچہ حضرت عثمانؓ نے امت سے اختلاف کو ختم کرنے کے نیک ارادہ سے اس وقت تک عالم اسلام میں موجود ایک لاکھ مصاحف کو نذر آتش کر دیا اور امت نے اس کا خوب استقبال کیا۔

لیکن جیسا کہ مشہور ہے کہ ابتداءً حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو حضرت عثمانؓ کے اس طریقہ کار و لائحہ عمل سے اتفاق نہ تھا اور مصحف عثمانی یا مصحف زید بن ثابتؓ کو اپناتے ہوئے اپنے مصحف کو ترک کر دینا منظور نہ تھا؛ لہذا سرکاری مصاحف کے ماسوا مصاحف کو جب جلادینے کا فرمان جاری ہوا، تو ابتداءً آپ نے اسے قبول نہیں فرمایا؛ بل کہ آپ نے اپنے تلامذہ و متوسلین سے فرمایا:

من استطاع منكم أن يغسل مصحفه فيغله، فإن من غل شيئاً جاء به يوم

القيامة، ثم قال قرأت من فم رسول الله - صلى الله عليه وسلم - سبعين سورة،
أفأترك ما أخذت من في رسول الله - صلى الله عليه وسلم -؟

بل کہ بعضوں نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ اس کے بعد آپ نے یہ آیت بھی پڑھی:
وَمَنْ يُّغْلَلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. جس کو ابن ابی داود اپنی کتاب
المصاحف میں ابووائل سے یوں نقل فرماتے ہیں:

قال: خطبنا ابن مسعود على المنبر فقال: " وَمَنْ يُّغْلَلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ
يَوْمَ الْقِيَامَةِ } [آل عمران: ۱۶۱] غلوا مصاحفكم، وكيف تأمروني أن أقرأ على
قراءة زيد بن ثابت، وقد قرأت من في رسول الله صلى الله عليه وسلم بضعا
وسبعين سورة، وأن زيد بن ثابت ليأتي مع الغلمان له ذؤابتان، والله ما أنزل من
القرآن إلا وأنا أعلم في أي شيء نزل، ما أحد أعلم بكتاب الله مني، وما أنا
بخيركم. (ص ۵۵)

بل کہ حافظ ابن حجر حضرت ابن مسعود کے موقف کو واضح کرتے ہوئے
تحریر فرماتے ہیں:

وكان بن مسعود رأى خلاف ما رأى عثمان ومن وافقه في الاقتصار
على قراءة واحدة وإلغاء ما عدا ذلك أو كان لا ينكر الاقتصار لما في عدمه من
الاختلاف بل كان يريد أن تكون قراءته هي التي يعول عليها دون غيرها لما
له من المزية في ذلك مما ليس لغيره كما يؤخذ ذلك من ظاهر كلامه فلما فاتته
ذلك ورأى أن الاقتصار على قراءة زيد ترجيح بغير مرجح عنده اختار

استمرار القراءة على ما كانت عليه. (شرح حدیث: ۵۰۰۰)

الغرض ابتداء میں چوں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو اپنے مصحف کے متعلق جلادینے کی رائے سے اتفاق نہیں تھا؛ لہذا جلانے سے انکار فرمایا، گو بعد میں آپ نے اس سے رجوع فرمایا اور کارنامہ عثمانی سے اتفاق فرماتے ہوئے اس کا پورے طور پر استقبال فرمایا، جیسا کہ ابن کثیرؒ تفسیر القرآن العظیم میں تحریر فرماتے ہیں: ثم رجع ابن مسعود إلى الوفاق. (ج ۱/ ص ۲۸)

اور جیسا کہ علامہ ذہبیؒ ”سیر اعلام النبلاء“ (۳۴۹/۱) میں نقل فرماتے ہیں: وقد ورد أن ابن مسعود - رضي الله عنه - تابع عثمان - رضي الله عنه - والله الحمد.

چنانچہ تاریخ اس کی شاہد ہے کہ جمع ثانی سے قبل بلاد اسلامیہ میں لوگوں نے اپنی تلاوت و قراءت کے لیے جو مصاحف لکھے تھے، ان کی تعداد ہزاروں ہزار نہیں بلکہ ایک لاکھ سے زائد تھی؛ لہذا جب ممالک اسلامیہ کی مسلم عوام کو خلیفۃ المسلمین حضرت عثمانؓ نے حکومتی سطح سے بہ ذریعہ اعلان اس کا پابند فرمایا کہ اب ہر ملک کے لوگ بہ جائے اس کے کہ وہ اپنے ذاتی مصحف کے مطابق یا اپنی اختیار کردہ قراءت کے مطابق تلاوت کریں، اس سرکاری مصحف ہی کے مطابق تلاوت کریں گے اور قراءت و تلاوت کے باب میں مزید کسی ضرورت کے پیش آنے پر امیر المؤمنین کے منتخب و فرستادہ قاری ماہر کی طرف رجوع کریں گے۔

نیز اس سے قبل تیار کردہ ذاتی مصحف، جو سرکاری مصحف کے غیر مطابق ہو، انہیں گورنمنٹ کے حوالہ کر دیا جائے، یوں پورے ملک کو مصحف واحد کے حرف واحد اور قراءۃ واحدہ پر جمع کر دیا گیا، اور دیگر مصاحف، جن کی تعداد ایک لاکھ

سے زائد بتائی جاتی ہے، ان کو نذر آتش کر کے اختلاف کی راہوں کو سہل کر دیا۔

البتہ صحف ابی بکر، جو حضرت حفصہؓ کے پاس تھے اور جمع ثانی کی کاروائی کے آغاز میں حضرت عثمانؓ نے ان کے یہاں سے یہ صحف اس وعدے کے ساتھ منگوائے تھے کہ جمع کی کاروائی مکمل ہو جانے پر انہیں واپس کر دیا جائے گا؛ اس لیے مصاحف کے تیار ہو جانے پر صحف ابی بکر کو پھر ان کے سپرد کر دیا گیا اور تادم حیات یہ صحف ان کے پاس ہی رہے، حتیٰ کہ مروان جب حضرت معاویہؓ کی طرف سے مدینہ منورہ کے گورنر مقرر ہوئے، تو جیسا کہ فتح الباری میں حافظؒ، شعیب ابن ابی شہاب سے نقل فرماتے ہیں:

”قال اخبرني سالم بن عبد الله بن عمر قال كان مروان يرسل إلى حفصة رضي الله عنها - يعني حين كان أمير المدينة من جهة معاوية - رضي الله عنه - يسألها الصحف التي كتب منها القرآن فأبى أن تعطيه قال سالم فلما توفيت حفصة - رضي الله عنها - ورجعنا من دفنها أرسل مروان بالعزيمة إلى عبد الله بن عمر ليرسلن إليه تلك الصحف فأرسل بها إليه عبد الله بن عمر. (ج ۸، ص ۲۰)

یعنی مروان نے ان صحف کو حضرت حفصہؓ کے پاس سے بہ غرض تحریق منگوائے، مگر حضرت حفصہؓ نے دینے سے انکار فرمایا اور صحف ابی بکر ان کے پاس ہی رہے، لیکن پھر جب حضرت حفصہؓ کی وفات ہوئی، تو تدفین سے فراغت پر مروان نے بڑی تاکید کے ساتھ فوراً حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کے پاس سے وہ صحف منگوائے۔ (ج ۸، ص ۳۰)

حاصل کلام یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے عرضہٴ اخیرہ میں باقی رکھی گئی جملہ

قراءات متواترہ مختلفہ کو صدری و قرطاسی دونوں انداز میں مصون و محفوظ کر لینے اور ان کے باب میں پائے جانے والے اختلاف کو ختم کر دینے، نیز قیامت تک کے لیے امت کو اس اختلاف سے بچانے کی پاکیزہ نیت سے جمع ثانی کا کارنامہ انجام دلا یا یعنی ایک خاص انداز و اسلوب سے مصاحف کا املاء کروایا (جس کی تفصیل ماقبل میں گذر گئی) اور علی اختلاف الاقوال آٹھ مصاحف تیار کروا کر مختلف بلاد اسلامیہ میں ارسال فرمائے۔

جمع صدیقی و عثمانی کے مابین فرق

اولاً یہاں یہ جاننا ضروری ہوگا کہ دونوں جمع (جمع صدیقی و جمع عثمانی) میں کیا فرق تھا؟ ایک مرتبہ جمع کر لینے کے بعد دوسری مرتبہ جمع کی نوبت کیوں پیش آئی؟ تو جاننا چاہیے کہ دراصل دونوں جمع کی بنیادیں اور دونوں کا محرک ہی الگ الگ اور جداگانہ ہے۔ جمع صدیقی کا باعث تو یہ ہوا کہ قرآن کریم منتشر انداز میں لوگوں کے پاس مختلف چیزوں پر لکھا ہوا تھا، مگر ایک جگہ مکمل قرآن کریم کہیں کسی کے پاس لکھا موجود نہ تھا اور جن کے سینوں میں قرآن کریم جس قدر محفوظ تھا، یا جن کے پاس جس انداز میں جو کچھ لکھا ہوا تھا، مختلف جنگوں میں ایسے حضرات کی شہادتیں پیش آنے لگی تھیں، بل کہ جنگ یمامہ کی وجہ سے یہ خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ مبادا قرآن کریم کی کوئی آیت یا سورت یا کوئی حصہ غیر محفوظ ہو جائے، گویا قرآن کریم جو کہ اوراق منتشرہ کے انداز میں لوگوں کے پاس موجود تھا، جمع کرنے والوں نے از سر نو کتابت کرتے ہوئے ان اوراق کو مختلف صحیفوں کی شکل میں جمع فرمایا اور

انہیں ایک دھاگے سے باندھ دیا، تاکہ کوئی حصہ گم ہو کر ضائع نہ ہو جائے۔

جب کہ جمع عثمانی کی ضرورت یوں پیش آئی کہ لوگ ان قراءات مختلفہ متعددہ، جو کہ منزل من اللہ، تعلیم فرمودہ نبوی ﷺ کے مطابق اور متواتر تھیں، ان میں اختلاف کرنے لگے تھے؛ حتیٰ کہ متواتر اور منزل من اللہ قراءتوں کے انکار میں بھی مبتلا ہونے لگے تھے، جو کہ خروج عن الایمان کا باعث ہو سکتا تھا، تو متواتر قراءتوں کی حفاظت و صیانت اور لوگوں کو ان میں اختلاف و انکار سے بچانے کی خاطر دوسری مرتبہ ایسے انداز میں جمع کروایا اور لکھوایا کہ متواتر قراءات بہ ذریعہ تحریر محفوظ ہو جائیں اور منسوخ التلاوة، یا جن قراءتوں کی وقتی طور پر اجازت دی گئی تھی، ان کا باب بند ہو جائے اور لوگ باہم اختلاف سے بھی محفوظ رہیں۔

جمع صدیقی کے مرکزی عناصر

(۱) مختلف معرکوں و جنگوں میں حاملین قرآن کی پیش آنے والی شہادتوں سے تحفظ قرآن کو اسبابی طور پر لاحق ہونے والے خطرات سے صیانت، جمع صدیقی کا اصل مقصد تھا۔

(۲) منسوخ التلاوة آیات کو اس جمع کے ذریعہ ختم کر دیا گیا۔

(۳) جمع صدیقی و صحف ابی بکرؓ احرف سبعة پر مشتمل تھے۔

(۴) آیات قرآنیہ، جو دور نبوی ﷺ اور جمع صدیقی سے قبل غیر

مرتب تھیں، اس جمع میں ان کی ترتیب کا اہم ترین کام انجام پایا۔

(۵) البتہ سورتوں کی ترتیب سے متعلق اکابر امت کے مابین اختلاف ہے کہ یہ کام کس جمع میں انجام پایا۔

(۶) جمع صدیقی میں قرآن کریم کا صرف ایک نسخہ تیار کیا گیا اور وہ خلیفہ المسلمین حضرت صدیق اکبرؓ کی تحویل و حفاظت میں رہا۔

جمع عثمانی کے مرکزی عناصر

(۱) جمع عثمانی کا اصل محرک کلمات قرآنیہ کے تلفظ و قراءت سے متعلق امت میں پائے جانے والے اختلاف کی شدت تھا، جس کا انسداد دراصل جمع ثانی کا بنیادی مقصد تھا۔

(۲) جمع ثانی میں قراءات متواترہ مشہورہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بہ ذریعہ کتابت محفوظ کر کے ان کے ماسوا قراءات کو ختم کر دیا گیا۔

(۳) جمع ثانی میں قرآن کریم کے متعدد نسخے تیار کروائے، یعنی ہر اسلامی ملک (مسلمانوں کی بڑی تعداد جہاں آباد تھی) کے لیے ایک مستقل مصحف تیار کروایا گیا۔

(۴) جمع ثانی میں جس ملک کے لیے مصحف تیار کیا جا رہا تھا، اس میں اسی ملک کی قراءت مکتوب و محرر تھی، دوسری یا دوسرے ملک کی قراءت اس میں محرر نہ تھی۔

(۵) علی اختلاف الاقوال اس جمع ثانی میں سورتوں کی ترتیب کا کام بھی

انجام دیا گیا۔

(۶) جمع ثنائی میں متعدد بلاد اسلامیہ میں جو مصاحف روانہ کئے گئے،

تو ہر مصحف کے ساتھ ایک ماہر قاری کو بھی بھیجا گیا۔

(۷) اس جمع میں سرکاری طور پر ہر ملک کے باشندوں کو اپنے ہی مصحف

میں مکتوب قراءت کا مکلف قرار دیا گیا۔

(۸) خلیفۃ المسلمین حضرت عثمان غنیؓ کی طرف سے ہر ملک میں یہ

فرمان بھی جاری کیا گیا کہ جن حضرات کے پاس پہلے سے مصاحف موجود ہیں،

وہ اپنے مصحف کو سرکاری مصحف سے ملا لیں، اگر دونوں میں مطابقت و موافقت

ہے اور کوئی اختلاف نہیں ہے، تو وہ معتبر ہے، ورنہ بہ صورت دیگر وہ اپنے مصحف

کو نذر آتش کر دیں۔

(۹) جمع عثمانی میں رسم و املاء کا ایسا انداز اختیار کیا گیا کہ حتی الامکان رسم

واحد ہی میں ایک سے زائد قرائتیں سما سکیں۔

(۱۰) لیکن اگر کسی جگہ ایک ہی رسم میں دو قرائتیں نہ سما سکتی ہوں، تو ایک

مصحف میں ایک قراءت کے مطابق اور دوسرے مصحف میں دوسری قراءت کے

مطابق رسم کو رکھا گیا۔



کیا مصاحف عثمانیہ میں باہم کوئی اختلاف تھا؟

سوال : کیا مصاحف عثمانیہ میں باہم کوئی اختلاف تھا؟

اب یہاں ایک اہم سوال یہ ہے کہ حضرت عثمان غنیؓ کے تیار کروائے گئے ان مصاحف کی نوعیت کیا تھی؟ آیا ان کی کتابت و املاء میں باہم کوئی اختلاف تھا؟ یا سارے مصاحف کی کتابت و رسم من و عن ایک ہی انداز کی تھی، جس کو عام تعبیر میں یہ کہا جائے کہ حضرت عثمان غنیؓ نے اولاً و اصلاً ایک نسخہ تیار کروایا اور باقی سارے نسخے یعنی بقیہ سات مصاحف اس اصل کی نقل و زیرو کس کاپی تھی اور ان میں باہم کوئی اختلاف نہیں تھا۔

جواب : ارباب علم اور اصحاب مطالعہ عمومی طور پر اور علم رسم کے حاملین خصوصی طور پر اس حقیقت سے آگاہی رکھتے ہیں، نیز ما قبل کی گفتگو نے بھی اس کو واضح کر دیا ہے کہ جمع عثمانی کا اصل مقصود عرضہٴ اخیرہ میں ثابت رکھی گئی قراءات منزلہ متواترہ کی حفاظت، اور قراءات مختلفہ سے متعلق امت میں پائے جانے والے شکوک و شبہات کا ازالہ ہے، نہ کہ قراءات مختلفہ ہی کو ختم کر دینا، نیز قراءات سے متعلق باہم اختلاف سے امت کی صیانت و حفاظت تھا؛ لہذا ان مصاحف کی کتابت و املاء میں مذکور الصدر مقاصد کو مرکز توجہ قرار دیتے ہوئے رسم مصاحف میں ایسا اسلوب اختیار فرمایا کہ حتی الامکان کلمات کے رسم میں باہم اتفاق رہے، یعنی سارے مصاحف میں کلمات کا رسم ایک ہی انداز کا رہے، تاہم جہاں قراءات متواترہ کو باقی رکھتے ہوئے رسم و املاء میں اتفاق ممکن ہی نہ تھا اور مصاحف کی

کتابت میں اختلاف ناگزیر تھا، وہاں مصاحف کے مابین اختلاف بھی رہا۔

لیکن افسوس ہے کہ علم رسم کی طرف اعتناء کے فقدان کی وجہ سے علمی زمرہ بھی اس حقیقت سے نابلد ہے اور بہت سے لوگ زبان کی سلاست و گفتگو کی روانی میں یہ کہہ جاتے ہیں کہ مصاحف عثمانیہ، جو علی اختلاف الاقوال آٹھ تھے، ان میں باہم کوئی اختلاف نہ تھا؛ بل کہ ایک ہی نسخہ بطور اصل کے تھا اور باقی نسخے اس کی نقول اور زیر کس کا پیاں تھیں؛ حالاں کہ محدثین ہوں یا مؤرخین، قراء ہوں یا ارباب رسم، سبھی نے بیک قلم مصاحف کے مابین رسم و املاء سے متعلق پائے جانے والے اختلاف کو لکھا ہے، آئیے! ہم اس باب میں اکابر امت کی آراء و اقوال کو بالتفصیل دیکھتے ہیں:

مثلاً حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

وفيه بعض ما اختلف فيه الأحرف السبعة لا جميعها كما وقع في المصحف المكي تجرى من تحتها الأئهار في آخر براءة، وفي غيره بحذف من. وكذا ما وقع من اختلاف مصاحف الأمصار من عدة واوات ثابتة في بعضها دون بعض، وعدة هآت، وعدة لامات، ونحو ذلك، وهو محمول على أنه نزل بالأمرين معا. (ج/۹، ص/۳۰)

علامہ زرقانی مناہل العرفان میں تحریر فرماتے ہیں: وکتبوا متفاوتة في إثبات وحذف وبدل وغيرها؛ لأنه -رضي الله عنه- قصد اشتمالها على الأحرف السبعة. (ص/۲۵۱، ۲۵۲)

پھر تھوڑا آگے چل کر مصاحف عثمانیہ کے اسلوب کتابت کی تفصیل

فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

”أما الكلمات التي لا تدل على أكثر من القراءة عند خلوها من النقط والشكل، مع أنها واردة بقراءة أخرى أيضا، فإنهم كانوا يرسمونها في بعض المصاحف برسم يدل على قراءة، وفي بعض برسم آخر يدل على القراءة الثانية، فقراءة ”ووصى“ بالتضعيف ”وأوصى“ بالهمز...“.

بل کہ آگے آپ ”مصاحف کے مابین رسما و کتابتہ اختلاف کیوں ہوا؟ اور مصحف واحد ہی میں متعدد قراءات کو کیوں نہیں لکھا گیا؟“ اس سے متعلق ”مناہل العرفان“ میں فرماتے ہیں کہ حضرات صحابہ کرامؓ نے مصاحف کے رسم کا یہ انداز اس لیے اختیار فرمایا کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف وجوہ و طرز اداء میں قرآن کریم سیکھا اور حاصل کیا تھا اور یہ ساری وجوہ منزل من اللہ تھیں؛ لہذا ان وجوہ مختلفہ کو باقی و محفوظ رکھنا ناگزیر تھا اور ان وجوہ مختلفہ سے متعلق امت میں موجود اختلاف کو بھی ختم کرنا تھا؛ لہذا صحابہ کرام نے رسم مصاحف کا ایسا حسین و عجیب اسلوب اختیار فرمایا، جس سے منقول و متواتر ساری وجوہ محفوظ بھی ہو گئیں اور غیر متواتر وجوہ کا جواز ختم ہو گیا، یعنی اب ان وجوہ مختلفہ میں سے جس کو چاہو پڑھو، صحیح ہے، مگر دوسری کسی وجہ سے متعلق شک نہیں کر سکتے۔ (ج ۱، ص ۲۵۹)

صاحب فتح الباری حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ جمع ثانی میں مصاحف کے رسم کے مذکورہ اسلوب سے جہاں متواتر و عرضہ اخیرہ میں باقی رکھی گئی قراءتوں کو بہ ذریعہ تحریر محفوظ کر دیا گیا، وہیں وہ قراءتیں، جو علی سبیل الايجاب نہیں تھیں، بلکہ علی سبیل الرخصة تھیں، مثلاً: هلم کی جگہ تعال، اور حتی کی جگہ حتی، یا مثلاً: أن

تبتغوا فضلا من ربكم في موسم الحج يا حبيبي: إذا جاء فتح الله والنصر اليك
قراءات كوجع ثانی میں بہ اتفاق صحابہ ختم کر دیا گیا۔ (مستفاد از: فتح الباری ج ۹، ص ۳۰۱)

شرايطِ ثلاثہ برائے قرآنیت

چنانچہ یہی وجہ ہوئی کہ ائمہ اصول نے کسی بھی قراءت، طرز اداء اور
وجہ کی صحت اور درستگی کے لیے تین شرائط وضع فرمائے:

(۱) صحت روایت و نقل، (۲) اصول عربیت کے موافق ہونا اور (۳)

مصاحف عثمانیہ کی رسم و املاء کے موافق و مطابق ہونا۔

اب کسی بھی قراءت کو قرآنیت کا درجہ دینے سے قبل اسے ان شرائطِ ثلاثہ پر
پرکھا جائے گا اور جس قراءت میں یہ تینوں جمع ہو جائیں، وہ قابل قبول ہو کر قرآنیت
کا درجہ پائے گی اور اس کے قرآن ہونے کا اعتقاد ہر کلمہ گو کے لیے لازمی ہوگا۔

اب مذکورہ صدر قراءات یعنی عتی حین، فی موسم الحج، وفتح الله
چوں کہ مصاحف عثمانیہ میں مرسوم نہ تھیں؛ لہذا جمع ثانی کے ذریعہ اس طرح کی
قراءت کا جواز ختم ہو گیا اور غیر مقررہ ہو گئیں۔

مصاحف عثمانیہ کی موافقت سے مراد

نوٹ : ہاں! اس جگہ یہ نقطہ بھی ذہن میں رہنا چاہیے کہ اوپر کسی بھی
قراءت کے قابل قبول ہونے اور قرآن کہلانے کے لیے مصاحف عثمانیہ کے
مطابق ہونا، جو بہ طور شرط کے بیان کیا گیا ہے، تو اس سے مراد یہ ہے کہ آٹھ میں

سے کسی کے بھی مطابق ہو، نہ کہ آٹھوں کے موافق، نیز یہ موافقت خواہ حقیقت ہو یا احتمالاً، مثلاً منہا اور منہما، تو مصاحف میں یہ دونوں طرح مرسوم ہے؛ لہذا ہر قراءت کسی نہ کسی مصحف کے مطابق ہے اور یہ مطابقت حقیقتاً و ظاہراً ہے، جبکہ کلمہ مُلک جملہ مصاحف میں بالاتفاق حذف الف سے ملکہ مرسوم ہے؛ لہذا قراءت حذف الف ملکہ تو ظاہر رسم کے مطابق ہے؛ لیکن قراءت اثبات الف یعنی مالک کی مطابقت تقدیراً و احتمالاً ہے۔

چنانچہ اگر کوئی قراءت آٹھ میں سے تین کے موافق ہے اور پانچ کے غیر موافق یا سات کے غیر موافق اور صرف ایک کے موافق ہو، تب بھی وہ قراءت قابل قبول و مقروء ہوگی اور قرآن کہلائے گی، بشرطیکہ اس میں بقیہ دو شرطیں بھی پائی جائیں، جنہیں علامہ جزریؒ نے ”النشر“ میں یوں بیان فرمایا ہے: (۱) کُل قِراءَة و افاقَة العربیة و لو بوجه، (۲) و وافقت أحد المصاحف العثمانیة و لو احتمالاً، (۳) و صح سندھا فہی القراءَة الصحیحۃ الّتی لایجوز ردھا و لا یحل انکارھا؛ بل ہی من الأحرف السبعة، الّتی نزل بها القرآن، و وجب علی الناس قبولھا. (ج ۱، ص ۱۵)

چنانچہ چوتھی صدی کی ایک عظیم شخصیت علامہ ابو عمر و عثمان الدرائیؒ (جو کہ علامہ شاطبیؒ کے مرجع و تصانیف شاطبیؒ کی اصل ہیں) نے علم رسم میں اپنی کتاب ”المقنع“ میں مصاحف عثمانیہ کے مابین رسم و املاء کے اعتبار سے اختلاف کے ہونے اور اختلاف کے ناگزیر و ضروری ہونے کو بہت اچھے سوال و جواب کے انداز میں سمجھایا ہے، آپ سوالیہ انداز میں فرماتے ہیں کہ جب جمع ثانی کا اصل

سبب و بنیاد ہی قراءت کے حوالہ سے امت میں پائے جانے والے اختلاف کو کرنا تھا، تو اس کا مقتضی تو یہ تھا کہ سارے ہی مصاحف ایک انداز کے ہوں اور ان کی رسم و املاء میں باہم کوئی اختلاف نہ ہو؛ لیکن ایسا تو ہوا نہیں؛ بل کہ مصاحف کے مابین اختلاف باقی رہا، ایسا کیوں؟ ملاحظہ ہو علامہ دائی کے سوال و جواب کی عبارت:

علم رسم کی اپنی کتاب ”المقنع“ میں سوال و جواب کے انداز میں اس کی تفہیم فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

سوال: فإن سأل عن السبب الموجب لاختلاف مرسوم هذه الحروف الزوائد في المصاحف، قلت: السبب في ذلك عندنا إن أمير المؤمنين عثمان بن عفان رضي الله عنه لما جمع القرآن في المصاحف ونسخها على صورة واحدة وأثر في رسمها لغة قريش دون غيرها مما لا يصح ولا يثبت نظر الأمة واحتياطاً على أهل الملة وثبت عنده إن هذه الحروف من عند الله عز وجل، كذلك منزلة ومن رسول الله صلى الله عليه وسلم مسموعة وعلم إن جمعها في مصحف واحد على تلك الحال غير متمكن إلا بإعادة الكلمة مرتين وفي رسم ذلك كذلك من التخليط والتغيير للمرسوم ما لا يخفاء به ففرقها في المصاحف لذلك فجاءت مثبتة في بعضها ومحذوفة في بعضها لكي تحفظها الأمة كما نزلت من عند الله عز وجل وعلى ما سمعت من رسول الله صلى الله عليه وسلم فهذا سبب اختلاف مرسومها في مصاحف أهل الأمصار. (المقنع ص ۱۱۴)

نوٹ: علامہ دائی کے قائم فرمودہ سوال و جواب کو سمجھنے سے قبل یہ ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ جمع ثانی کے دو بنیادی مقصد تھے:

(۱) عرضہ اخیرہ میں باقی رکھی گئی مختلف قراءات منزلہ متواترہ کی تحریری

حفاظت و اشاعت۔

(۲) ان سے متعلق امت میں پائے جانے والے اختلاف کو ختم کرنا،

یعنی قراءات متواترہ کے وجود اور ان کے صحیح و درست ہونے سے متعلق امت کو یقین و اطمینان دلانا ہے، چنانچہ جو بیچارے قراءات مختلفہ کی تحریری حفاظت و اشاعت کے مقصد سے نابلد ہیں، انہیں یہ مغالطہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے جمع ثانی کے ذریعہ ساری قراءتوں کو ختم کر کے صرف ایک قراءت کو باقی رکھا ہے، جو کہ ایک عظیم مغالطہ ہے، صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ناسخ ہو سکتی ہے، حضرت عثمانؓ ناسخ نہیں ہو سکتے۔

بہر حال علامہ دائیؒ کی مذکورہ عبارت سے واضح ہو گیا کہ ادھر حضرت

عثمانؓ کو یہ معلوم تھا کہ یہ متعدد قراءات منزل من اللہ اور مسموع من النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، لہذا مصاحف میں ان کو ثابت و باقی رکھنا ضروری و لا بدی ہے؛ چنانچہ جہاں مختلف قراءات ایک ہی رسم الخط میں داخل ہو سکتی تھیں، وہاں داخل کرتے ہوئے تمام مصاحف میں ایک ہی انداز سے ان کو لکھا گیا، مثلاً: فنادتہ، فنادیہ، تغفر لکم، نغفر لکم، ہیت لک، ہئت لک، ہیت لک وغیرہ چوں کہ مصاحف عثمانیہ میں اعراب و نقطے بھی نہیں تھے، جس کی وجہ سے باوجودے کہ یہ کلمہ تمام مصاحف میں ایک ہی انداز سے مکتوب و محرر ہے، مگر کئی طرح تلفظ کیا جاسکتا ہے۔

البتہ وہ الفاظ، جن میں ایک سے زیادہ قراءت ہے، اور ایک رسم الخط

میں وہ مختلف قراءات داخل نہیں ہو سکتیں، مثلاً: فیما کسبت، بما کسبت، ووصی، وأوصی، أشد منکم، أشد منهم، منها منقلباً، منها منقلباً، فلا یخاف، ولا یخاف وغیرہ، تو ایسے مواقع میں ان کو ایک سے زائد انداز پر لکھنا ضروری ہو گیا تھا، اب اگر ایک مصحف میں اسی ایک کلمہ کو قراءات مختلفہ کے مطابق مختلف انداز پر کئی طرح لکھا جاتا تو خلط ملط ہو جاتا؛ لہذا جس شہر کے لیے نسخہ تیار ہو رہا تھا، اسی شہر کی قراءت کے بہ موجب اس میں لکھنے کا اہتمام کیا گیا، یوں مصاحف میں باہم اختلاف ہوا۔

چنانچہ علامہ دائی نے علم رسم کی اپنی اس تصنیف میں دو الگ الگ عنوان قائم فرمایا: (۱) باب ذکر ما اتفقت علی رسمہ مصاحف أهل الأمصار من أول القرآن إلى آخره، (۲) باب ذکر ما اختلفت فیہ مصاحف أهل الأمصار بالاثبات والحذف۔ مثلاً سورہ یونس میں ایک موقع اختلاف قراءت کا "إن هذا السّاحر" ہے، اس کے لیے فرماتے ہیں: فی بعض المصاحف "إن هذا السّاحر" بالألف و فی بعضها "لسحر مبین" بغير ألف کے، یا جیسے: "أوكلها" سے متعلق فرماتے ہیں: و فی بنی اسرائیل فی بعض مصاحف "أوكلها" بغير الف، و فی بعضها "أو كلاهما" بالألف۔

بلکہ بعض مواقع میں تو بالتعین شامی مصاحف کو دیگر مصاحف سے جن جن مواقع میں رسم کا اختلاف تھا، ان کو بھی علامہ دائی بسند متصل یوں بیان فرماتے ہیں:

مصاحف عثمانیہ میں باہم اختلاف۔ ایک حقیقت

وحدثنا سوید بن عبدالعزیز أيضا عن الحسن بن عمران عن عطية بن قيس عن أم الدرداء عن أبي الدرداء أن هذه الحروف في مصاحف أهل الشام وهي ثمانية وعشرون حرفا. اور پھر تفصیل سے ان سارے مواقع قراءت شامی کو بیان کیا ہے، جن میں شامی قراءت، دیگر قراءت سے مختلف ہے۔ [المقنع ص ۱۱۰] (فمن شاء التفصیل فلیراجع إلیه)

مصنفین رسم کے اسالیب مختلفہ

پھر ارباب مطالعہ اس حقیقت سے بہ خوبی واقف ہوں گے کہ مصاحف عثمانیہ میں کلمات قرآنیہ کی رسم و املاء کے موضوع پر تصنیفات و تالیفات کا سلسلہ قدیم زمانہ سے جاری ہے، جن میں ہر ایک نے اپنے اپنے مذاق کے مطابق اور ضرورت زمانہ کے تحت رسم عثمانی اور مصاحف عثمانیہ پر مفصل و مختصر گفتگو فرمائی ہے، کسی نے ایک ہی کتاب میں مختلف فصلیں و عناوین قائم فرما کر رسم قرآنی کے متعدد نواحی سے بحث فرمائی اور کسی نے اس کے مختلف نواحی میں سے کسی ایک ناحیہ کا انتخاب فرما کر اسی کو اپنی توجہ کا مرکز قرار دیا، مثلا علامہ دائی کا اپنی ”المقنع“ میں طرز یہ ہے کہ کسی بھی کلمہ قرآنی کی رسم کو مصاحف عثمانیہ سے بسند متصل روایت بیان فرماتے ہیں، جیسا کہ ماقبل میں گذرا، چنانچہ آپ نے دو اہم عنوان قائم فرمائے:

(۱) باب ما اتفقت فیہ مصاحف أهل الأمصار.

(۲) باب ما اختلفت فیہ مصاحف أهل الأمصار.

پھر ان دونوں عناوین کے تحت فاتحہ سے ناس تک کے کلمات قرآنیہ کی رسم کو جملہ مصاحف عثمانیہ سے بالتزام سندناقلین سے بیان فرمایا ہے۔

نوٹ: ناظرین ملاحظہ فرمائیں کہ ”باب ما اختلفت فیہ مصاحف اہل الأمصار“ مستقل ایک باب ہے، پھر اس سے قبل بھی شروع کتاب میں ”باب ذکر ما رسم باثبات الألف“، ”باب ذکر ما حذف فیہ الألف اختصاراً“ اور ”باب ما حذف منہ الیاء“ وغیرہ ابواب قائم فرمائے اور ان میں بھی جہاں کسی کلمہ کی کتابت میں مصاحف کے مابین اختلاف تھا، انہیں سند کے ساتھ بیان فرمایا۔

(۲) بعض مصنفین رسم نے قرآن کریم کے ایسے کلمات، جن کے تلفظ و املاء میں مطابقت نہیں پائی جاتی تھی، یعنی غیر قیاسی انداز میں مرسوم تھے، ان کو اپنا موضوع بحث قرار دیا، جن میں اکابر متقدمین میں سے ابو داؤد سلیمان بن نجاح، تلمیذ علامہ دائی (م: ۴۹۶ھ) نے ”کتاب التنزیل فی ہجاء القرآن“ تصنیف فرمائی۔

(۳) ان دونوں بزرگوں سے قبل علم رسم کی ایک عظیم شخصیت امام ابو بکر عبداللہ بن ابی داؤد سلیمان السجستانی کی رہی، جنہوں نے علم رسم میں مرجع کی حیثیت رکھنے والی کتاب تصنیف فرمائی، جس کا نام ”کتاب المصاحف“ ہے، اس کتاب میں آپ نے جمع قرآنی، رسم عثمانی، مصاحف صحابہ اور مصاحف تابعین وغیرہ عناوین قائم فرما کر بالتفصیل روایات بیان فرمائیں، آپ نے بھی دیگر عمدہ عناوین کے ساتھ ساتھ ایک عنوان ”باب اختلاف مصاحف الأمصار

النبی نسخت من الإمام“ قائم فرمایا اور اس کے تحت عجیب معلومات فراہم فرمائی۔
جامع بغداد کے کلیۃ الشریعہ کے مدرس غانم قدوری رسم الخط پر اپنی
فاضلانہ بحث (جو تقریباً آٹھ سو سے زائد صفحات پر مشتمل ہے) میں ابن ندیم (م: ۳۸۵ھ) کی
الفہرست سے اسی موضوع سے متعلق چند اہم ترین کتب قدیمہ کے اسماء نقل
کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وألقت في هذا الموضوع بضعة كتب ذكر ابن النديم منها: كتاب
اختلاف مصاحف أهل الشام والحجاز والعراق لابن عامر اليحصبي، إمام أهل
الشام المتوفى ۱۱۸ هـ، وكتاب اختلاف مصاحف أهل المدينة وأهل الكوفة
والبصرة عن الكسائي، المتوفى ۱۸۹ هـ، وكتاب اختلاف أهل الكوفة
والبصرة والشام في المصاحف للفراء المتوفى ۲۰۸ هـ، وكتاب اختلاف
المصاحف لخلف بن هشام البزار، المتوفى ۲۲۹ هـ. (رسم المصحف ص ۱۶۹)

ابن ندیم کی الفہرست نے تو مسئلہ کو بالکل ہی آسان کر دیا کہ مصاحف
عثمانیہ کا رسم ایک ہی انداز کا نہ تھا، بلکہ ان میں بھی باہم اختلاف تھا اور دور اول
کے ان اکابر نے نہ معلوم کس عرق ریزی سے مصاحف کا تقابلی مطالعہ فرمایا
ہوگا، موضوع کی اہمیت کے پیش نظر ان پر مستقل تصانیف فرمائیں، پھر آگے
آپ تحریر فرماتے ہیں کہ گو اختلاف ما بین المصاحف سے متعلق (جن کا اوپر
تذکرہ ہے) وہ کتب ہمیں نہ مل سکیں، لیکن امام ابو عبیدہ قاسم بن سلام نے اپنی
کتاب فضائل القرآن اور ابوالعباس مہدوی نے اپنی کتاب ”ہجاء مصاحف
الأمصار“ میں جن مواقع اختلاف کو روایتاً بیان کیا ہے، اس کے مطالعہ سے

معلوم ہوتا ہے کہ ان مصاحف میں باہمی اختلاف کی نوعیت مختلف تھی، چنانچہ ایک صورت یہ تھی کہ (۱) مصاحف کا اختلاف الف کے حذف و اثبات سے متعلق تھا، مثلاً بعض میں سبحن بلا الف، تو بعض میں الف کے ساتھ سبحان، (۲) مقطوع موصول ہونے کا اختلاف، مثلاً: بعض میں بئسما (موصول) تو بعض میں بئس ما (مقطوع)، (۳) حرف کی کمی بیشی، مثلاً: بعض میں وسار عوا، تو دیگر میں سار عوا، بلا واو۔ (۴) حرف کے محل میں تقدیم و تاخیر، مثلاً: سحر، ساحر الف کے محل کی تقدیم و تاخیر۔

خلاصہ یہ کہ مصاحف کا یہ اختلاف کوئی ایک ہی قسم کا نہ تھا، پھر آگے تحریر فرماتے ہیں:

وقد أثبتت المصادر الأولى أن هذا الخلاف يرجع إلى مصاحف الأئمة التي أرسلت من المدينة إلى الأمصار في زمن الخليفة الثالث عثمان - رضي الله عنه - أو أنها وجدت في المصاحف القديمة التي انتسخت من تلك المصاحف المرسله. (ص ۶۹۵)

پھر تقریباً اٹھاون (۵۸) مواقع اختلاف ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

فقال أبو عبيد بعد أن ذكر الرواية التي نقلها قبل قليل هذه الحروف التي اختلفت في مصاحف الأمصار ليست مثل الزوائد التي خالفت الخط؛ لأن هذه مثبتة بين الوجهين وهي كلها منسوخة من الإمام الذي كتبه عثمان بن عفان - رضي الله عنه - لما بعث إلى كل أفق مما نسخ بمصحف.

معلوم ہوا کہ اولاً مصاحف عثمانیہ ہی میں یہ اختلاف مندرج تھے، پھر

ان سے نقل کردہ نسخوں میں یہ منتقل ہوئے، یوں مصاحف عثمانیہ ثمانیہ (علی اختلاف الاقوال) اور ان کی نقول سب میں رسم کا یہ اختلاف چلتا رہا۔

مصاحف میں مواقع اختلاف کی تعداد

(۶) بل کہ ان اکابر میں سے بعض تو وہ ہیں، جنہوں نے مصاحف عثمانیہ کا مطالعہ کرتے ہوئے ان میں باہم موازنہ کیا اور اس کے بعد یہ واضح فرمایا کہ پورے قرآن کریم میں ایسے کلمات کی تعداد کتنی ہے؟ جن میں باعتبار رسم و املاء مصاحف عثمانیہ میں اختلاف تھا، چنانچہ اس باب میں دور حاضر کی ایک عبقری شخصیت مرقش کے جامعہ القاضی عیاض کے استاذ شیخ توفیق بن احمد العبقری بہ طور خاص قابل ذکر ہیں، آپ نے ”الاختلاف بین المصاحف العثمانیة بالزیادة والنقصان“ نامی ایک بیش قیمت رسالہ بڑے محقق انداز میں نہایت عرق ریزی سے تصنیف فرمایا اور اس میں ”عدد الأحراف المختلف فیہا بین المصاحف“ نامی ایک نادر عنوان قائم فرما کر بہت اچھی تحقیق پیش فرماتے ہوئے یہ بھی واضح فرمایا کہ پورے قرآن کریم کے وہ کلمات، جن کی رسم و املاء سے متعلق مصاحف عثمانیہ میں اختلاف رہا ہے، ایسے کلمات کی مجموعی تعداد کتنی ہے؟ پھر اس کے تحت متقدمین اکابر کے مختلف اقوال کو جمع فرماتے ہوئے بڑی معلومات افزا گفتگو فرمائی، جس کا خلاصہ دو سطروں میں ملاحظہ فرمائیں۔

”اختلاف العلماء قلیلاً فی تحدید عدد هذه الأحراف“ یعنی ایسے کلمات قرآنیہ، جن کی رسم سے متعلق مصاحف عثمانیہ میں اختلاف پایا جاتا ہے،

ایسے کلمات کی تعداد سے متعلق ارباب علم کے مابین قدرے اختلاف ہے، چنانچہ:

(۱) علامہ دائی نے مقنع میں اور امام ابو العباس مہدوی نے ”ہجاء مصاحف الأمصار“ میں ایسے کلمات کی تعداد تینتالیس (۴۳) بتلائی ہے۔

(۲) امام ابن ابی داؤد سجستانی نے ”کتاب المصاحف“ میں ایسے کلمات کی تعداد پینتالیس (۴۵) بیان فرمائی ہے۔

(۳) صاحب ”مقدمة المبانی“ نے چالیس (۴۰) بیان فرمائی ہے۔

(۴) امام ابوبکر باقلانی کی رائے کے مطابق ایسے کلمات صرف اٹھائیس (۲۸) ہیں۔

(۵) جبکہ ابن عاشر نے ”الاعلان“ میں ایسے کلمات کی تعداد چھپن (۵۶) بتلائی ہے۔

(۷) بلکہ بازوق قارئین کے لیے مقام مسرت ہوگا، نیز مصاحف عثمانیہ کے مابین اختلاف کے متعلق اپنے یقین میں اضافہ محسوس کریں گے کہ مدینہ منورہ میں آٹھ میں سے جو دو مصحف تھے، جن میں ایک امیر المؤمنین کے لیے خاص تھا، جس کو مصحف امام کہا جاتا ہے اور دوسرا عام اہل مدینہ کے لیے تھا، ان دونوں میں بھی باہم اختلاف تھا، چنانچہ ملا علی قاری علیہ الرحمۃ شرح رائیہ میں علامی سخاوی کے حوالہ سے اور سخاوی اپنی شرح وسیلہ میں بہ حوالہ کتاب المصاحف حضرت خالد بن ایاس سے نقل فرماتے ہیں کہ حضرت خالد کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمان غنی کے مصحف کا مطالعہ کیا، تو دیکھا کہ کل بارہ (۱۲) مواقع ایسے ہیں، جن کی کتابت میں

مصحف امام اور مصحف مدینہ کے مابین اختلاف تھا اور پھر آپ نے بالتفصیل ان بارہ (۱۲) مواقع کو بھی بیان فرمایا۔ (وسیلہ ج ۱، ص ۱۱۸ اور کتاب المصاحف ص ۲۶)

مثلاً مصحف امام میں ووضی تھا، تو مصحف مدینہ میں وأوصی تھا، مصحف امام میں سورۃ الشمس میں ولا یخاف وأؤسے ہے، تو عام اہل مدینہ کے مصحف میں فلا یخاف فاء سے ہے۔

مواقع اختلاف کی تفصیل

پھر یہاں بطور خاص قابل توجہ امر یہ ہے کہ مصحف امام اور مصحف مدنی کے مابین یہ اختلاف صرف رسم و کتابت تک محدود نہ تھا؛ بل کہ قراءۃ بھی اختلاف تھا، چنانچہ مصحف امام میں گو ”ووصی“ لکھا تھا، مگر عام اہل مدینہ کی قراءت اپنے مصحف کے بہ موجب ”وَأَوْصَى“ تھی، اسی طرح مصحف امام میں گو ”ولا یخاف“ مرسوم تھا، مگر اہل مدینہ کی قراءت فاء سے ”فلا یخاف“ تھی، چنانچہ ملا علی قاری ”الہبات السنیة“ شرح رانیہ میں تحریر فرماتے ہیں ”وہی تخالف قراءۃ أهل المدينة ومصاحفہم۔“

(۸) بہر حال شیخ توفیق بن احمد العبقری نے اپنے رسالہ میں مصاحف عثمانیہ کے مابین پائے جانے والے مواقع اختلاف کی تعداد سے متعلق اجمالاً پانچ اقوال بیان فرمائے، اور اس کے بعد ان مواقع کو بالتفصیل بیان کیا ہے، جن میں چند کو ہم یہاں بہ طور نمونہ ہدیہ ناظرین کرتے ہیں:

(۱) سورۃ بقرۃ آیت ۱۱۶ ”وقالوا اتخذ الله ولدا سبحانه“ مصحف شامی

میں یہ ”قالوا“ یعنی واو کے مرسوم ہے، جب کہ دیگر مصاحف میں واؤ کے ساتھ ”وقالوا“ مرسوم ہے۔

(۲) سورۃ بقرہ میں ”ووطی بہا ابراہیم“ یہ کلمہ مصحف اہل مدینہ اور مصحف اہل شام میں ”وأوصی“ ہے، جب کہ ما بقیہ مصاحف میں یہ ”ووطی“ ہے۔

(۳) سورۃ انعام کی یہ آیت: ”وما الحیاة الدنیا الا لعب ولہو وللدار الآخرة“ مصحف شام میں ایک لام کے ساتھ ”ولدار الآخرة“ مرسوم ہے اور دیگر تمام مصاحف میں دو لام کے ساتھ: ”وللدار“ ہے۔

(۴) سورۃ کہف میں ”خیراً منها منقلبا“ یہ مصحف مکی، مدنی اور شامی میں تشنیہ کے صیغہ کے ساتھ ”منہا منقلبا“ مرسوم تھا، اور ما بقیہ مصاحف میں صیغہ واحد کے ساتھ ”منہا“ مرسوم تھا۔

(۵) سورۃ انبیاء میں ”قال ربی یعلم القول“ مصحف کوفی میں یہ اثبات الف کے ساتھ ”قال“ لکھا گیا تھا اور باقی تمام مصاحف میں یہ بصیغہ امر حذف الف کے ساتھ ”قل“ لکھا گیا ہے۔

ایسے چالیس مواقع بطور تفصیل کے بیان فرمائے ہیں، اہل ذوق حضرات رجوع کریں۔ (الاختلاف بین المصاحف العثمانیة بالزیادة والنقصان، ص ۲۷ تا ۳۵)

بل کہ متقدمین ائمہ نے مصاحف عثمانیہ کے مابین کلمات کی رسم سے متعلق باہم جو اختلاف تھا، اس کی وضاحت کی غرض سے اپنی کتابوں میں ”باب اختلاف مصاحف الأمصار“ نامی مستقل باب قائم فرمایا اور بہت تفصیل

مصاحف عثمانیہ میں باہم اختلاف۔ ایک حقیقت

سے، مستند انداز میں، اس کو بیان فرمایا، چنانچہ ابن ابی داؤد و سجستانی نے اپنی تصنیف ”کتاب المصاحف“ میں ”باب اختلاف مصاحف الأمصار التي نسخت من الإمام“ قائم فرمایا اور اس میں خلا و مقری سے یہ روایت نقل فرمائی کہ مصحف مدنی اور مصحف کوفی و بصری کے مابین بائیس (۲۲) مواقع میں اختلاف تھا اور پھر ان بائیس مواقع کو بالتفصیل بیان فرما کر اخیر میں فرمایا: ”هذا اختلاف أهل المدينة وأهل الكوفة وأهل البصرة كله“ پھر اس کے بعد ایک اور روایت حضرت سلیمان بن جہاز سے بیان فرمائی، جس میں ابن جہاز کہتے ہیں: ”إن أهل المدينة يخالفون الأثني عشر حرفا التي هي مكتوبة في مصحف عثمان بن عفان رضي الله عنه“ یعنی بارہ ۱۲ مواقع میں عام اہل مدینہ کی قراءت مصحف امام یا مصحف سیدنا عثمانؓ کے خلاف تھی، اور پھر ان بارہ مواقع کو مفصل بیان فرمایا۔

اس کے بعد ایک اور روایت بیان فرماتے ہیں جس میں اہل مدینہ اور اہل عراق کے مصاحف کے مابین سترہ (۱۷) مواقع میں اختلاف بیان کیا ہے اور ان سترہ مواقع کو سورتوں کی تعیین کے ساتھ بالتفصیل بیان فرمایا ہے۔

اسی طرح آگے اہل شام اور اہل عراق کے مصاحف کے مابین اٹھارہ (۱۸) مواقع میں روایت و نقل اختلاف بیان فرمایا ہے۔

کتاب المصاحف کے ان اوراق کا مطالعہ کرنے سے بالکل عیاں اور واضح ہو جائے گا کہ ”مصاحف عثمانیہ کے مابین اختلاف کا ہونا“ ایک حقیقت واقعہ ہے اور ابن ابی داؤد کی بیان فرمودہ مذکور الصدر چند روایات کو بالتفصیل

دیکھنا، اس حقیقت واقعہ پر شرح صدر اور ازالہ خفا کا باعث ہوگا۔ (کتاب
المصاحف ص ۳۹ تا ص ۵۶)

چنانچہ مجسم القراءات کے مقدمہ میں اسی حقیقت کی تائید و توثیق کے
طور پر ہے: ”لأن هذه المرسوم تعني أن المصاحف العثمانية ما نسخت
بصورة واحدة والالما تعددت هذا التعدد“۔ (ج ۱، ص ۵۰)

کتاب مجسم القراءات کے مقدمہ میں مصاحف اہل مدینہ اور اہل عراق کے
مابین بارہ ۱۲ مواقع میں اختلاف بیان کئے ہیں، اسی طرح مصحف اہل کوفہ اور مصحف
بصرہ کے مابین پانچ یا چھ مواقع میں اختلاف ہونے کو بیان فرمایا ہے۔ (ج ۱، ص ۳۶)

پھر اگر علم رسم کو من حیث الفن پڑھتے ہوئے کتب رسم کا مطالعہ کیا جائے
اور روایات رسم کو دیکھا جائے، تو اندازہ ہوگا کہ اس فن کا موضوع نہ ہی یہ ہے کہ
کون سا کلمہ کس مصحف میں کس طرح لکھا گیا ہے، چنانچہ فن رسم کے رجال یعنی
امام ابو عبید قاسم بن سلام، امام نافع، نصیر، غازی ابن قیس وغیرہ حضرات کی
روایات کا ما حاصل بھی یہی ہے کہ یہ حضرات کلمات قرآنیہ کی کتابت کس مصحف
میں کس انداز کی ہے، اسی کو بیان فرماتے ہیں۔

چوتھی صدی ہجری کی ایک عبقری شخصیت امام ابو العباس مہدوی ہیں، جو
علامہ دائی کے معاصر ہیں اور علامہ شاطبی نے بھی اپنی شاطبیہ میں استعاذہ کے
بیان میں نامزدان کا ایک قول نقل فرمایا ہے، وہ اپنی تصنیف ”ہجاء مصاحف
الأمصار“ میں کلمات قرآنیہ کی رسم کو مصاحف سے بیان کرتے ہوئے کلمات

کو اولاد و حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

(۱) وہ کلمات جن کی رسم میں مصاحف کا اتفاق ہے اور ان میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

(۲) وہ کلمات، جن کی رسم سے متعلق مصاحف عثمانیہ کے مابین اختلاف ہے۔

پھر ایسے کلمات مختلف فیہا کو دو حصوں میں تقسیم فرمایا:

(۱) ذکر حروف اختلاف فیہا مصاحف أهل الحجاز والعراق والشام وهي من الحروف التي اختلفت فيها قراءة القراء.

یعنی جن کلمات میں قراءت کا بھی اختلاف ہو، اور ان کی رسم سے متعلق مصاحف بھی مختلف ہوں اور اس کے تحت تقریباً چالیس کلمات یا مواقع اختلاف کو بیان کیا ہے، مثلاً: بعض مصاحف میں "قل سبحان ربی" ہے، تو بعض میں "قال سبحان ربی" ہے، اسی طرح "منہا منقلبا" اور "منہا منقلبا" "مامکنی فیہ ربی خیر" دونوں کے ساتھ مکی مصحف میں مرسوم ہے، تو دیگر مصاحف میں ایک نون کے ساتھ "مامکنی فیہ خیر" یا مثلاً: "فتوکل علی العزیز الرحیم" مصحف مدنی اور شامی میں "ف" سے ہے اور دیگر مصاحف میں واو سے "وتوکل" ہے، سورہ مؤمنون میں دوسرا اور تیسرا "سیقولون اللہ بصری مصحف میں ایک لام کے ساتھ مرسوم ہے، جب کہ دیگر مصاحف میں دو لام کے ساتھ "سیقولون اللہ" یا سورہ توبہ میں "والذین اتخذوا مسجداً" یہ

مصحف مدنی و شامی میں بغیر واو کے مرسوم ہے، لیکن دیگر مصاحف میں واو کے ساتھ مرسوم ہے، وغیرہ وغیرہ۔

اس کے بعد اخیر میں آپ تحریر فرماتے ہیں: وإنما أقر عثمان ومن اجتمع علي رأيه من سلف الأئمة، هذا الاختلاف في النسخ التي اکتبت وبعثت إلى الأمصار لعلهم أن ذلك من جملة ما أنزل عليه القرآن، فأقر ليقراءه كل قوم على روايتهم. (ص ۱۰۲)

اس کے بعد آپ نے وہ کلمات بیان فرمائے ہیں، جن میں قراءۃ تو کوئی اختلاف نہیں ہے، مگر ان کی رسم و املاء میں مصاحف مختلف ہیں:

(۱) مثلاً "قل بئسبا يأمرکم" سے متعلق فرماتے ہیں: وفي بعضها "بئسبا" موصولة وفي بعضها "بئس ما" مقطوعة.

(۲) وفي المائدة: "وقالت اليهود والنصارى نحن ابناؤا الله" في بعض المصاحف (ابنوا) بو او و ألف، وفي بعضها بغیر واو "أبناء".

(۳) وفي بعض المصاحف في الأعراف: "كلما دخلت أمة" موصولة، وفي بعضها "كل ما" مقطوعة.

(۴) وفي براءة، في بعض المصاحف: "ولأوضعوا" بغیر ألف بعد اللام وفي بعضها: "ولأوضعوا" بالألف.

اس طرح کے تقریباً تیرہ مواقع بیان فرمائے، جہاں قراءت کا کوئی اختلاف نہیں، مگر ان کی رسم و کتابت میں مصاحف کے مابین اختلاف ہے۔



مصاحف عثمانیہ میں باہم اختلاف۔ ایک حقیقت

غرض یہ کہ مصاحف عثمانیہ کے مابین کلمات کی رسم سے متعلق اختلاف کا ہونا ایک حقیقت واضح ہے، اور کتب رسم خواہ مختصر ہوں یا مفصل؛ سب ہی اس کو بیان کرتی ہیں، جو کہ علم رسم کا موضوع نہ ہے، چنانچہ رسم پڑھنے پڑھانے والا تو ہر کوئی اس حقیقت سے آگاہ و آشنا ہوتا ہی ہے؛ لیکن شرح حدیث شریف و حضرات مفسرین اور قراء و موزنین نے بھی اس حقیقت کو خوب آشکارا کیا ہے، بلکہ کتب قراءت میں بھی جگہ جگہ اس حقیقت پر گفتگو ہوتی ہے۔

چنانچہ ملا علی قاریؒ نے شرح رائیہ میں تو مصاحف کے مابین اختلاف سے بحث کی ہے؛ لیکن شرح شاطبیہ (جو شرح شاطبیہ میں اپنا ایک امتیاز رکھتی ہے) میں بھی آپ نے متعدد مواقع اختلاف قراءت میں توجیہ فرماتے ہوئے مصاحف کے مابین موجود اختلاف کو بیان کرنے کا اہتمام فرمایا ہے، مثلاً: "وسار عوا" اور "سار عوا" دو قراءتیں ہیں، اس کی توجیہ میں آپ تحریر فرماتے ہیں: "وجه حذف الواو من "وسار عوا" القطع علی أنه مستانف، فالوقت قبلہ تام، وعلیہا الرسم المدنی والشامی، ووجه إثباتها أن الأصل فی العطف، والمعنی علیہ، ویوافقہ بقیة الرسوم. (ص ۲۲۱)

اس موقع پر نثر المرجان مصاحف کے اختلاف کو اور زیادہ واضح انداز میں بیان فرماتے ہیں، چنانچہ وہ لکھتے ہیں: "وسار عوا" قال الدانی فی مصاحف أهل المدينة والشام "سار عوا" بلا واو، وقال الشاطبی: "وسار عوا" مکی عراقیة یعنی بواو العطف عند أهل مكة والعراق یعنی الكوفة والبصرة. (ج ۱، ص ۸۴، آل عمران)

نیز ملا علی قاریؒ قراءت ”اولم“ اور ”الم“ سے متعلق فرماتے ہیں:

ووجه عدم واو اولم استیناف الکلام، وعلیہ الرسم المکی، ووجه ثبوتها عطف الجمل المستانفة، وعلیہ بقیة الرسوم. (ص ۳۳۲)

شیخ محمد الحداد ازہری مصری اپنے رسالہ ”الکواکب الدریة“ (قراءت مختلفہ سے متعلق سوالات پر مشتمل اس قدر مدلل رسالہ کم از کم میری نظر سے نہیں گذرا، اس طرح ایک بڑا ہی محقق و مدلل مضمون ہے) میں ”الفصل الأول فی بیان ما اشتملت علیہ المصاحف من القراءات“ کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

فالصحابة رضی اللہ عنہم کتبوا فی هذه المصاحف ما تحققوا أنه قرآن وما علموه واستقر فی العریضة الأخيرة وما تحققوا صحته عن النبی -صلى اللہ علیہ وسلم- فی غیرها مما لم ینسخ، ولذلك اختلفت المصاحف بعض اختلاف وترکوا ما سوا ذلك، نحو: فامضوا، وكان أمامهم ملك يأخذ كل سفينة صالحة غصبا، وأما الغلام فكان كافرا، وغير ذلك، وإنما کتبوا مصاحف متعددة؛ لأن عثمان -رضي الله عنه- قصد إنفاذ ما وقع الإجماع علیہ إلى أقطار بلاد المسلمين، ومن ثم بعث إلى أمرائه بها، وكتبوها متفاوتة فی إثبات وحذف وبدل و غیرها؛ لأنه قصد اشتمالها على الأحرف السبعة، فجعلوا الكلمة التي تفهم أكثر من وجه بصورة واحدة، نحو: فتبينوا، وندشها وأف وهيت وأخويكم على حالها في جميع المصاحف، والتي لا تدل على أكثر من قراءة كذلك بصورة في البعض، وبأخرى في آخر، نحو: وأوصى، ووصى، سار عوا وسار عوا، وبالزبر وبالكتاب والزبر والكتاب، خيرا

منها خیرا منها، فتوکل وتوکل، شرکاً وھم شرکاء، تجری تحتھا، تجری من تحتھا، أشد منکم أشد منهم، بما کسبت فيما کسبت، فإن الله هو الغنی فإن الله الغنی إلى غیر ذلك، وإنما کتبت هذه في البعض بصورة وفي أخرى باخری، لأنها لو کررت في مصحف لتوهم نزولها كذلك، ولو کتبت بصورة في الأصل وبأخری في الحاشیة لکان تحکماً مع إیھام التصحیح.

(ص ۲۳)

الغرض سلف وخلف میں سارے ہی مصنفین و مؤلفین رسم نے مصاحف عثمانیہ کے مابین اختلاف کو اجمالاً یا تفصیلاً بیان فرمایا ہے؛ بل کہ حضرات محدثین و مؤرخین نے بھی موقع بہ موقع اس کی صراحت و وضاحت فرمائی ہے کہ مصاحف عثمانیہ کے مابین رسم و املاء کا اختلاف تھا اور کوئی ایک دو جگہ نہیں بلکہ متعدد جگہوں میں تھا؛ لہذا ضرورت اس بات کی ہے کہ علمی زمرہ اپنے مقام و مسئولیت کے پیش نظر مصاحف عثمانیہ کے مابین اختلاف کے موجود ہونے کی حقیقت کی طرف توجہ فرمائے اور اس باب کے مغالطہ کا ازالہ فرمائے، نیز اپنے قول و قرطاس سے قابل اصلاح نظریہ کی اصلاح فرمائے، و ما توفیقی الا باللہ۔

واخر دعوانا أن الحمد لله رب العلمین، والصلوة والسلام علی سید المرسلین، وعلی الہ و أصحابہ أجمعین.



موقف کی دیگر تالیفات

المیسرة في أصول القراءات العشر وأجرائها بطريق الطيبة

فتح الرحمن في شرح خلاصة البيان

توضیح الوقف حاشیہ جامع الوقف

رہبر تجوید

قرآن کریم اور خوش الحانی

القول الجمیل فی مدالتاؤذین والتکبیر

فن تجوید وقراءات مکالمات کے آئینہ میں

ترتیل و تدویر کی خوش الحانی

تجوید وقراءات کا پیغام خدام و قرآن کے نام

خطبہ استقبالیہ (گجرات میں تجوید وقراءات کی خدمات)

تجوید وقراءات کے اسباب زوال اور نشاۃ ثانیہ



LAJNATUL-QURRA

Darul Uloom Falah-e-darain, Tadkeshwar, Mandvi,
Surat, Gujarat (India)-394170

Mob: 098798 25967 / 098794 64974